اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

دین کامل

یعنی

مذہب اسلام کی حقیقت اور اس کے علمی و عملی اصولوں کے متعلق جامع اور مکمل کتاب

جلد اوّل

جس میں مذہب کی تعریف اور ضرورت اور اس کے فطری ہونے کے دلائل، اور فطری مذہب کی شناخت کے معیار اور فطری اسلام، عقلی اسلام، الہامی اسلام اور ان کے اصول اور اختلاف مذاہب کے اسباب درج ہیں

تصنیف

مفتی سید عبد القیوم

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ۔ لاہور

قیمت عہ

دینِ کامل پر مشاہیر کی رائیں

اگرچہ دینِ کامل کی پہلی جلد بلند پایہ تصنیف ہونیکی وجہ سے اور اسکے خاص مصنف اپنی خداداد علمی قابلیت اور ادبی فضیلت کے باعث کسی تعارف اور تعریف کے محتاج نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب کے پہلی مرتبہ شائع ہونے پر ہندوستان کے مشہور اہلِ علم و فضل نے اس کی بہت تعریف کی اور اس پر مفید تبصرے کئے اس لئے ان میں سے بعض اہلِ علم اور اخبارات و جرائد کی آراء کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے پبلک کو اس کتاب کے قابلِ قدر اور مفید ترین تصنیف ہونیکا پتہ لگیگا۔

علامہ سر محمد اقبال کی رائے دینِ کامل کی پہلی جلد کا میں نے بغور مطالعہ کیا۔ کتاب نہایت اہم اور مفید مطالب پر حاوی ہے مصنف کا طرزِ بیان ستھرا ہے اور مطالب کی ترتیب بھی نہایت عمدہ اور منطقیانہ ہے مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کی اشاعت بہت نتیجہ خیز ہوگی۔ غالباً آئندہ جلدوں میں مفتی صاحب قرآن کی ان آیات پر مفصل بحث کرینگے جن کا تعلق شرائع سے ہے مثلاً وصیت، میراث وغیرہ میں اس بحث کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہوں خدا کرے انکی باقی جلدیں جلد شائع ہوں۔ محمد اقبال لاہور۔ ۱۶ فروری ۱۹۲۶ء

علامہ عبداللہ یوسف علی کی رائے دینِ کامل کی تصنیف مذہبی خیالات کو معقول پیرایہ میں بیان کرنیکی قابلِ قدر کوشش ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام نہ صرف عقل و فطرت کے مطابق ہے بلکہ ارتقاء حیات کی تکمیل کے لئے بھی ضروری ہے۔

یکم اپریل ۱۹۲۶ء پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور

ایک حق پسند ہندو لیڈر کی رائے ۔ رائے زادہ ہنسراج صاحب جو کانگریس کے مشہور رکن ہیں اور بیرسٹری چھوڑ پبلک کے کام میں حصہ لیتے رہتے ہیں اور اب لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر ہیں انہوں نے دینِ کامل کی پہلی جلد کو غور کے ساتھ پڑھا اور پڑھنے کے بعد اسکا جو اثر انکے دل پر ہوا وہ اسکا اظہار ان الفاظ ذیل میں کرتے ہیں لکھتے ہیں

"سید صاحب عربی کے مشہور فاضل ہیں مصنف نے اسلام کی حقیقت کو ۸ جلدوں میں چھاپنے کا ارادہ کیا ہے پہلی جلد چھپ گئی ہے مجھے مصنف کا طریق تحریر نہایت پسند آیا ہے اور سلیس ہے باوجود مذہبی کتاب ہونے کے دوسرے مذاہب پر کوئی حملہ یا سخت کلامی نہیں کیگئی نہ دلآزاری کیگئی۔ مولانا نے ایک نہایت اعلیٰ

شان قائم کی ہے میں چاہتا ہوں کہ ہندو مذہب کے اہل قلم بھی اس قابل تقلید شان کی پیروی کریں ہندوستان میں خاص کر اس قسم کی کتابوں کی بہت ضرورت ہے تاکہ ہندو مسلمان ایک دوسرے مذہب کے متعلق بلا تکلف واقفیت حاصل کرسکیں اس کتاب کے پڑھنے سے جو اسلام کہ میں سمجھا ہوا تھا معلوم ہوا کہ وہ بالکل غلط تھا جہاں مسلمان بھائی اس کتاب کو دل سے پڑھینگے بیں امید کرتا ہوں کہ ہندو بھائی بھی ضرور اسے شوق سے دیکھیں گے۔"

مسلم اوٹ لک کی رائے - دین کامل کی پہلی جلد عمدہ کتاب ہے اسکا انداز بیان نہایت قابل تعریف ہے اس میں مندرجہ ذیل سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

۱- کیا مذہب کو ماننا ضروری ہے اور انسان فطرت میں داخل ہے۔

۲- اگر ایسا ہے تو مکمل مذہب کونسا ہے۔

فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ مذہب انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور انسانی زندگی خواہ انتہائی درجہ پر ترقی کرجائے مذہب وہاں بھی موجود ہوگا اور اصل مذہب ایک ہے گو عبادت کے طریقے اور شریعتیں مختلف ہیں اور ایک ہی پیغام مختلف زمانوں میں لوگوں کو پہنچایا گیا جس طرح خدا ایک ہے ایسا ہی اسکا پیغام اور مذہب بھی ایک ہے اور وہ اسلام ہے جو اسوقت سے چلا آتا ہے جبسے انسان ہے ابراہیم موسیٰ عیسیٰ علیہ السلام اور سب پیغمبر اسی مذہب کی ہدایت و اشاعت کرتے رہے ہیں اور یہ پیغام نوع انسانی کیلئے امن کا پیام تھا۔

مسلم اوٹ لک لاہور - ۱۶ مارچ ۱۹۲۶ء

جریدہ وکیل کی رائے - وکیل امرتسر نے اپنی اشاعت ۲۴ مارچ ۱۹۲۶ء ایک جدید الطبع کتاب دین کامل کے عنوان سے لیڈر لکھا - جس میں اس کتاب پر مفصل تبصرہ کیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"ہمارے محترم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب وکیل جالندھر نے جنکا علمی تبحر ہماری تعریف سے مستغنی ہے دین کامل کے نام سے ایک مبسوط کتاب تصنیف کی ہے جو مولانا کی اپنی تصریح کے مطابق آٹھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے اور آٹھوں حصے لکھے جاچکے ہیں۔ پہلی جلد اسوقت ہمارے پیش نظر ہے دین کامل کے فاضل مصنف نے اپنی اس معرکتہ الآرا تصنیف کی جلد اول کے دیباچے میں خصائص خمسہ کا ذکر کیا ہے دین کامل کے محترم مصنف نے فی الواقع ایک ایسی کتاب پیش کی ہے جسکی دور حاضر میں سخت ضرورت تھی اسوقت اسلام کی سچی اور صحیح تصویر دکھانے کی جتنی سعی کیجائے تھوڑی ہے ہمارے اہل قلم کا مقدس ترین فرض ہے کہ وہ اس قسم کی تصانیف بکثرت شائع کریں جو دین فطرت کو اسکی اصل شکل میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔ دین کامل کی تصنیف بھی اسی رنگ کی ایک مبارک کوشش ہے جسکے لئے ہم فاضل مصنف کو مبارکباد دیتے ہیں۔ باطنی اور معنوی محاسن کے علاوہ کتاب کی ظاہری صورت بھی دیدہ زیب ہے

معارف کی رائے ۔ مجلس دار المصنفین اعظم گڈھ کے مشہور ماہوار علمی رسالہ معارف کی اشاعت دجولائی ۱۹۲۶ء میں دین کامل پر مفصل رائے لکھی اسکا مختصر حسب ذیل ہے :۔ اسلام کی حقانیت پر ہر زمانہ میں کتابیں لکھی گئیں چونکہ ہر زمانہ کا اسلوب بیان اور طریق ادا جداگانہ ہوتا ہے اسلئے آجکل خاص طور پر یہ ضرورت محسوس کیجاتی ہے کہ ہم اپنے پرانے علم کلام کو نئے حالات کے مطابق بنا کر پیش کریں مفتی سید عبد القیوم صاحب نے دین کامل لکھکر اس ضرورت کی طرف نہایت مفید قدم اٹھایا ہے اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اسلام دینی فطرت ہے اسکو آٹھ جلدوں میں پھیلا کر بیان کیا گیا ہے سردست ہمارے سامنے پہلی جلد ہے اس میں دوسری سات جلدوں کے متعلق بتایا گیا ہے ۔ ان میں توحید ۔ معاد ۔ رسالت ۔ الہام فرشتے ۔ مکارم اخلاق اور اصول عبادت سے بحث ہوگی ۔ پھر ثابت کیا جائیگا کہ اسلام کے اصول علم عقل اور فطرت کے موافق ہیں ۔ اسلام کوئی خونریز مذہب نہیں بلکہ وہ صرف میل ملاپ اور صلح و آشتی کا مذہب ہے (اس کتاب) کا طریق بیان طرز ادا اسلوب استدلال بالکل جدید ہے ۔ معارف نمبر جلد ۱۸ صفحہ ۱۷

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی رائے ۔ یہ ماہوار علمی رسالہ دہلی سے شائع ہوتا ہے اسکی اشاعت دفروری ۱۹۲۶ء میں مذکور ہے مفتی سید عبد القیوم صاحب وکیل جالندھر پنجاب نے مذہب اسلام کی حقیقت اور اسکے علمی و عملی اصولوں کے متعلق یہ کتاب آٹھ جلدوں میں لکھی ہے جسکی پہلی جلد شائع ہو کر ہمارے پاس بغرض تنقید وصول ہوئی ہے اس میں مذہب کی تعریف اسکی ضرورت اسکے فطری ہونیکے دلائل پر تبصرہ مذہب کی شناخت اور فطری عقل اور الہامی اسلام کے اصول بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں ۔ انداز بیان نہایت معقول اور زبان عمدہ ہے ہمکو تعجب ہوتا ہے کہ نفائس القصص والے ہمارے دوست مولوی فتح محمد خانصاحب کے شہر میں اس قسم کی اچھی اردو لکھنے والے لوگ بھی ہیں ۔

زمیندار کی رائے ۔ جریدہ زمیندار لاہور نے اپنی اشاعت ۴ اپریل ۱۹۲۶ء کے شروع میں اس کتاب پر حسب ذیل رائے لکھی :۔ قارئین کو یاد ہوگا کوئی ڈیڑھ دو ماہ پیشتر ہم نے زمیندار کے صفحوں پر اعلان شائع کیا تھا جس میں مفتی سید عبد القیوم صاحب وکیل جالندھر کی ایک تصنیف دین کامل سے قارئین کا تعارف کرایا گیا تھا اس کتاب کی پہلی جلد شائع ہو کر بغرض انتقاد ہمیں موصول ہوئی ہے اس میں فاضل مصنف نے مذہب کی ضرورت فطرت انسانی سے اس کا تعلق فلسفہ ضمیر فطری مذہب کی شناخت کے معیار ۔ بعثت انبیاء کا مقصد ۔ اختلاف مذاہب کے اسباب اور عام اصول اسلامی پر عالمانہ بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ عقل فطری اور الہامی اعتبار سے اسلام ہی بہترین مذہب ہے فاضل مصنف نے بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء کرام اسلام ہی کے پیرو تھے اور ان پر ایمان والے مسلم ہیں رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا مذہب بلکہ کتب سابقہ کی تصدیق اور مذاہب ماضیہ کی تائید کیلئے تشریف لائے تھے کتاب کی آئندہ سات جلدوں میں یہ بیان کیا جائیگا کہ قرآن شریف کے نزول اور رسولخدا کی مشیت کا مقصد کیا تھا اور کن دلائل کے رو سے محمد رسول اللہ کا اسلام مکمل ترین اسلام ہے مصنف کا انداز

انداز تحریر نہایت دلنشین اور سنجیدہ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مسلمانوں کو آپکی تصنیف سے فائدہ پہنچیگا"

سیاست کی رائے اخبار سیاست لاہور نے ۹ مارچ ۱۹۲۶ء کی اشاعت میں اس کتاب پر حسب ذیل تنقید کی:-

"دین کامل یہ مذہب اسلام کی حقیقت اور اسکے علمی اور عملی اصولوں کے متعلق ایک مکمل کتاب ہے اسکی آٹھ جلدیں ہیں جلد اول اس وقت ہمارے سامنے ہے اس جلد میں مذہب کی تعریف اور ضرورت اور اسکے فطری ہونیکے دلائل اور فطری مذہب کی شناخت کے معیار اور فطری اسلام عقلی اسلام - الہامی اسلام اور انکے اصول اور اختلاف مذاہب کے اسباب درج ہیں یہ کتاب مفتی سید عبدالقیوم صاحب وکیل جالندھر پنجاب کی تیس سالہ بحث اور غور و فکر اور تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ آپنے اس کتاب میں ہر مضمون اور ہر مسئلہ کو قرآن حکیم اور عقل و فطرت کے مطابق بیان کیا ہے مزید تاکید کیلئے احادیث نبویہ اور اکابر سلف کے اقوال و آرا بطور سند ذکر کئے ہیں یہ کتاب نئی روشنی کے تعلیمیافتہ اصحاب کیلئے مشعل ہدایت ہے ہر مذہب کا آدمی اس کتاب سے مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب تصنیف کر کے مفتی صاحب نے ایک بڑی اسلامی خدمت انجام دی ہے اور مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ہے جسکے لئے ہر مسلمان کو مفتی صاحب شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور اس کتاب کو پڑھکر اسلام کی حقیقت معلوم کرنی چاہیئے آپنے اس کتاب میں بہ دلائل قاطع ثابت کیا ہے کہ اسلام جابرانہ اور سفاکانہ مذہب نہیں بلکہ وہ اقوام اور مذاہب عالم ہی صلح و آشتی پیدا کرنیکی تعلیم دیتا ہے اور وہ ابدی اور ناقابل زوال مذہب ہے ظاہر کیا ہے۔

افلت شموس الاولین وشمسنا ابداً علی افق العلی لا تغرب

اہلحدیث کی رائے - مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب اہلحدیث امرتسر کی اشاعت ۵ مارچ ۱۹۲۶ء میں لکھتے ہیں

"دین کامل - اس کتاب میں عقلی دلیل سے مذہب کی ضرورت۔ عقلی وجوہات سے اسلام کے فطری مذہب ہونیکا ثبوت اسلام کی باقی مذاہب کے مقابلہ میں ترجیح کے دلائل درج ہیں"

مخبر دکن کی رائے - مدراس کے مشہور اخبار مخبر دکن کی اشاعت ۱۴ اپریل ۱۹۲۶ء میں دین کامل کے عنوان میں لکھا ہے۔ عنوان بالا بے نظیر کتاب مصنفہ مولوی مفتی سید عبدالقیوم صاحب وکیل جالندھر پنجاب ہمارے دفتر میں موصول ہوئی ہے۔ جدید فلسفیانہ طریق پر اس میں اسلام کی صداقت حقانیت معقولیت کے ساتھ ثابت کیگئی جو انگریزی تعلیمیافتہ افراد دینی علوم کم واقف ہیں اور بوجہ غلط فہمی مذہب سے متنفر اور متشکک ہو رہے ہیں انکے اصلاح کیلئے یہ کتاب ازحد مفید اور کارآمد ہے"

عنایت اللہ منتظم
تاج کمپنی لمیٹڈ - لاہور

فہرست مضامین

اظہارِ حق

ہر شخص فطری طور پر بے تعصّب اور حق پسند پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن بعد میں خارجی اثرات بعض افراد کے سادہ نورانی دلوں کو بے جا مذہبی تعصب اور باطل پرستی کا ایسا محو گر بنا دیتے ہیں کہ وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ان کو اپنے مسلّمہ آبائی مذہب کے نقائص اور دوسرے مذہب کی خوبیاں معلوم نہیں ہوتیں۔ وہ لوگ مبارک ہیں۔ جو تعصّب سے پاک ہیں۔ اور امر حق اور دانائی کی بات کو جس جگہ دیکھتے اور سُنتے ہیں اُس کے قبول کرنے میں کچھ تامل نہیں کرتے۔ عرب کے مشہور اور کامل روحانی حکیم (آنحضرت صلعم) نے کیسا سچ فرمایا۔

الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ الحکیم فحیث وجدھا فھو احق بھا۔

کہ دانائی کی بات دانا شخص کی گم شدہ چیز ہے۔ پس جس جگہ وہ اسے پائے۔ وہ اس کے حاصل کرنے کا زیادہ مستحق ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

حق پسند اشخاص کی طبیعتوں میں قدرتی خاصہ پایا جاتا ہے۔ کہ وہ جس امر کو حق اور واقعی جانتے ہیں۔ اس سے ابنائے نوع کو مطلع کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ نوع انسانی کی اہم خدمت ہے۔ اسی اُصول کے مطابق میں نے مذہبی امور کے متعلق جو کچھ غور و خوض کیا۔ اور مذہب کے اصلی حقائق اور اس کے باطل اور غلط مسائل میں جو کچھ فرق معلوم کیا۔ اس سے اپنے نوعی بھائیوں کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ وہ ان مفید معلومات سے جن کے دریافت کرنے میں مجھے بڑی کدوکاوش کرنی پڑی ہے۔ آسانی کے ساتھ مُستفید

ہو سکیں۔ اگرچہ مجھے عربی علوم کے پڑھنے پڑھانے کے بعد معاش کی ضرورت نے وکالت کے پیشہ کی جانب توجہ دلائی۔ چنانچہ مدت سے وکالت کے کام میں مصروف ہوں لیکن مذہبی امور کے متعلق غور و فکر کرنے کا شوق شروع ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے جب کبھی ظاہری اشتاغل سے فراغت ہوتی تھی۔ شوق مذکور غالب آتا تھا۔ اور سوالات ذیل کا دل میں اعادہ ہوتا رہتا تھا:۔

۱۔ ہم کیا چیز ہیں؟
۲۔ کائنات عالم کا ظہور کس طرح اور کیوں ہوا؟
۳۔ وہ کونسی قوت اعظم ہے جس پر تمام نظام عالم کا قیام اور ہر موجود شئے کی زندگی کا مدار ہے؟
۴۔ موجودہ زندگی بسر کرنے کا بہترین اور مفید طریقہ کونسا ہے؟
۵۔ موت کے بعد کیا واقعات اور حالات پیش آئیں گے؟
۶۔ موجودہ مذاہب عالم میں سے انسان کا قدرتی اور فطری اور مکمل مذہب کونسا ہے جو اُسے اختیار کرنا چاہیئے؟

غرض اس قسم کے خیالات اور سوالات دل میں پیدا ہوتے تھے اور ان کا حل عقل و فطرت کے اصولوں اور مذہب کے صحیح قاعدوں کے مطابق تلاش کیا جاتا تھا۔ مسلسل تیس ۳۰ برس کے قریب مسائل مذکور کے متعلق غور و فکر کا سلسلہ جاری رہا۔ اب دو برس ہوئے ہیں۔ کہ بعض اہل ذوق نے تحقیقات مذکور کے علمی نتائج کو کتاب کی شکل میں قلمبند کرنے کی تحریک کی۔ اس پر اُن کو لکھنا شروع کیا گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان مضامین کا بڑا حصہ آٹھ جلدوں میں ختم ہوگا۔ مقام شکر ہے۔ کہ ان آٹھ جلدوں کے مسودے لکھے جا چکے ہیں اور ان کے مجموعہ کا نام دین کامل رکھا گیا ہے +

اس کتاب کی بڑی خصوصیتیں یہ ہیں:۔

۱۔ اس میں ہر مضمون اور ہر مسئلہ کو قرآن حکیم اور عقل و فطرت کے مطابق بیان کیا گیا

ہے۔ اور مزید تائید کے لئے احادیث نبویہ اور اکابر سلف کے اقوال و آراء بطور سند ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اگرچہ اس سے طوالت پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ہم نے موجودہ زمانہ کے نئے خیالات سے متاثر ہو کر اسلام کے اصول و مسائل کی نئی تعبیر کی ہے +

(۲) اس کتاب میں کسی مذہب سے اس طرح تخاطب نہیں کیا گیا جس سے اس پر حملہ یا اعتراض مقصود ہو۔ بلکہ اس میں انسان کے کامل فطری مذہب اسلام کی اصلی تعلیم کو جو قرآن شریف میں مذکور ہے واضح طور پر بیان کیا گیا۔ اور اسلام کے روشن چہرہ پر جو سیاہ پردے اُس کے نادان دوستوں یا مخالفوں نے ڈال رکھتے تھے۔ اُٹھا دیئے گئے ہیں +

(۳) اُمید قوی ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر اسلام سے نفرت کرنے والے اصحاب بھی اس کو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھنے لگیں گے۔ اور ان کو اس کے کسی اُصول کے متعلق حرف گیری کا موقعہ نہ ملے گا۔ البتہ تعصب اور حسد ناقابل علاج مرض ہے ؛

(۴) اسلام کے ہر ایک **مستقل اُصول** پر ایک مستقل جلد لکھی گئی ہے۔ اور اس جلد میں اصول مذکور کے متعلق تمام ضروری مسائل تا امکان مکمل طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں +

آٹھ جلدوں میں مفصلہ ذیل مضامین مذکور ہیں :-

پہلی جلد میں مذہب کی تعریف، مذہب کی ضرورت، فطری مذہب کی شناخت کے آٹھ معیار اور فطری۔ عقلی۔ الہامی۔ اسلام کی تفصیل درج ہے۔ اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام انسان کا پیدائشی مذہب ہے۔ اور ہر شخص اس کے اصول اعظم کو فطری طور پر صحیح ماننے کے لئے تیار ہے۔ اور اس جلد میں اختلاف مذاہب کے اسباب پر بھی بحث کی گئی ہے +

دوسری جلد میں توحید باری کی تکمیل کا ذکر ہے اور اس اعتراض کا مکمل جواب دیا گیا ہے۔ کہ جب توحید کا عقیدہ پہلے موجود تھا۔ تو قرآن شریف کے نزول اور رسول خدا صلعم کی بعثت کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن حکیم نے اس اُصول کی کیا تکمیل کی ؛

تیسری جلد میں اصول معاد اور جزا و سزا کا تفصیلی ذکر ہے۔ اور اس میں جزا و سزا کے اصلی، صحیح، معقول اور فطری طریق کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے۔

چوتھی جلد میں رسالت۔ فرشتوں الہامی کتابوں کی تصدیق و تائید اور اُن کی اصلی حقیقت کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

پانچویں جلد میں مذکور ہے۔ کہ جب تمام قومیں اچھے اور بُرے اخلاق سے واقف تھیں اور حکماء اس کے متعلق مفید معلومات کا ذخیرہ لوگوں کے سامنے پیش کر چکے تھے۔ تو قرآن شریف نے اخلاق کی تعلیم میں کیا اضافہ کیا۔ اور اخلاقی مسائل کی کیا تکمیل کی؟

چھٹی جلد میں اسلامی عبادات کی فلاسفی اور ان کے اخلاقی اغراض اور روحانی فوائد کی تفصیل مذکور ہے؟

ساتویں جلد میں بتایا ہے کہ اسلام علم و عقل اور قوانین فطرت کے مطابق ہے۔

آٹھویں جلد میں ان اسباب کا مفصل ذکر ہے۔ جن کی وجہ سے اسلام کو علم و عقل اور قوانین فطرت کے مخالف سمجھا جاتا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ اسلام جابرانہ اور سفاکانہ مذہب نہیں۔ بلکہ وہ اقوام و مذاہب عالم میں آشتی و صلح پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور وہ صلح کل ابدی اور ناقابلِ زوال مذہب ہے؟

افلت شموس الاولین وشمسنا
ابداً علی افق العلی لا تغرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الاسلام فطرۃ للانام و ارسل رسولا فی کل امۃ من الامم العظام والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ الکرام۔

آج یورپ کے مادیین (میٹریلیسٹ) اور دہریے اور مشرق کے نوتعلیم یافتہ اصحاب مذہب کو حقارت آمیز نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اُسے علمی وعقلی ترقی اور اخلاقی و تمدنی بہبود کا بہت بڑا دشمن سمجھتے ہیں۔ اِس کی وجہ محض یہ ہے۔ کہ ان لوگوں نے انسان کے فطری مذہب کی اصلی ماہیت دریافت نہیں کی۔ اور اس مذہب کے علماء نے اس کی اصلی شکل کو ایسا تبدیل کر دیا۔ کہ اب وہ آسانی اور صحت کے ساتھ پہچانی نہیں جا سکتی۔ ظاہری علماء نے ہر قسم کے غلط مسائل اور غیر متعلق مادی علوم اور دنیاوی فنون کو مذہب میں شامل کر دیا۔ اور پھر غلط مسائل کی صداقت پر اس حد تک اصرار کیا۔ کہ زمانہ گذشتہ میں اگر کوئی شخص ان علماء کے کسی مفروضہ مذہبی مسئلہ کی مخالفت کرتا تو اُس کو فوراً تختۂ دار پر چڑھا دیا جاتا۔ یا زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ اور کبھی ایک لمحہ کے لئے اس امر پر غور نہیں کیا جاتا تھا۔ کہ درحقیقت وہ مسئلہ جس کی حمایت کے لئے ہزاروں بے گناہ بندگان خدا کو ناحق قتل کیا جا رہا ہے۔ مذہب کی ماہیت میں داخل ہے یا نہیں۔ حاملانِ مذہب

کہ اس تشدد اور بے جا حمیت نے نہ صرف مشرق کے اہلِ علم و عقل کو مختلف طرح کے مصائب میں مبتلا کیا۔ بلکہ مغرب بھی اس زہریلے اثر سے نہ بچ سکا۔ چنانچہ پندرھویں صدی مسیحی کے قریب کئی لاکھ اہلِ علم کو یورپ میں مذہبی اختلاف کی وجہ سے آگ میں جلایا گیا۔ اس زمانہ میں سائینس کے ایجادات اور علمی حقائق کے انکشافات گناہ خیال کئے جاتے تھے۔ اور راجر بیکن کو انگلستان میں اور فاسٹ کو جرمن میں صرف اس لئے شیطان سمجھا جاتا تھا۔ کہ وہ علمی ایجادات کے موجد تھے[1]۔

موجودہ زمانہ میں بھی علماء نے جن مسائل کو غلطی سے مذہبی رنگ دے رکھا ہے اگر کوئی شخص ان کی مخالفت کرے یا مذہبی مسائل کی اصلی حقیقت ظاہر کردے۔ تو اس کی تکفیر و تفسیق اور سوسائٹی سے علیحدگی لازمی سمجھی جاتی ہے۔

اب اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا مذہب واقعی ایسی بُری چیز ہے جس کی پیروی سے انسان اپنے نوعی بھائیوں پر ظلم و تعدی کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور انسانی ترقی کی راہ میں ہر طرح سے رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مذہب فی نفسہ بُری چیز نہیں بلکہ وہ انسانی زندگی کا لازمۂ حیات ہے۔ لیکن حاملانِ مذہب نے مذہب کے روشن چہرے پر ایسے سیاہ پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور علماء نے اپنے باطل خیالات اور مادی علوم کے مسائل کو مذہب میں اس طرح شامل کر دیا ہے جس سے اُس کی اصلی صُورت مسخ ہو گئی۔ اور اہل علم کے طبقہ میں اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ورنہ اگر مذہب کی اصلی ماہیت پر غور کیا جائے۔ تو وہ مفید شے ہے۔ نہ کہ مضر۔

جب ہم مذہب کے متعلق غور کرتے ہیں۔ تو چار قسم کے سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ مذہب کی کیا تعریف ہے؟

---

[1] ہسٹری آف دی برٹش ایمپائر مصنفہ کولیر ایل۔ ایل۔ ڈی۔ صفحہ ۱۹۷

۲ - مذہب کی کیا ضرورت ہے؟

۳ - کیا مذہب کو ماننا انسان کا فطری تقاضا ہے؟

۴ - اگر مذہب کو ماننا انسان کا فطری تقاضا ہے۔ تو مختلف مذاہب موجودہ میں سے انسان کا قدرتی اور فطری مذہب کونسا ہے؟

ہم ذیل میں ان چار سوالوں کا بہ ترتیب جواب دیتے ہیں:

مذہب کی تعریف

قدیم زمانہ میں مذہب سے ایسی مجلسوں کا اجتماع مراد تھا۔ جن میں بتوں یا بزرگوں یا معبودوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یا اُن کے غیظ و غضب سے بچنے کی خاطر جانوروں اور جنگ کے قیدیوں کو قربان کیا جاتا تھا۔ اور قربانی مذہب کا جزو اعظم سمجھی جاتی تھی لیکن اسلام کی مکمل کتاب قرآن شریف نے اس رائے کی غلطی ظاہر کی۔ اور بتایا۔ کہ مذہب سے وہ قانون مُراد ہے۔ جس پر انسان اپنے فطری تقاضا سے عمل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جانوروں اور انسانوں کی قربانی کو اس کی تعریف یا ماہیت میں کچھ دخل نہیں۔

فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذٰلک الدین القیم (پ ۲۱۔ روم ع ۴)

راست مذہب خدا کی وہ فطرت ہے۔ جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور خدا کی بنائی ہوئی چیز میں ردّ و بدل نہیں ہوتا۔

اس آیت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ کہ مذہب وہ ناقابل تبدیل قانون فطرت جس پر لوگوں کی آفرینش ہوتی ہے اور جس پر عمل کرنے کے لئے ہر شخص طبعی طور پر مجبور ہے جو لوگ قربانی کو مذہب کی ماہیت میں داخل سمجھتے تھے۔ اسلام نے ان لوگوں

کے اس باطل خیال کی آیت ذیل میں تردید کر دی - فرمایا:-

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم (پ ۱۷ حج ع ۵)

قربانیوں کے خون اور ان کے گوشت سے ہرگز خدا نہیں ملتا مگر وہ تمہاری پاکبازی سے ملتا ہے

اسلام کے اصلی معنی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینے کے ہیں - اس سے مقصود یہ ہے کہ حقیقی قربانی انسان کا اپنے آپ کو خدا کے سپرد اور اس کے احکام کے آگے تسلیم خم کر دینا ہے - اور یہی قربانی حقیقی مذہب ہے جس پر چلنا ہر انسان کا دوامی فرض ہے۔

مذہب عربی زبان کا لفظ ہے - جس کے لغوی معنی اس روش اور طریقہ کے ہیں جس پر لوگ چلتے ہیں - لیکن اصطلاح میں مذہب کے لفظ میں نادیدہ نظام ہستی کا یقین اور مفید اعمال کے نیک نتائج کا تصوّر شامل ہے:

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے - کہ انسان کے دلی خیالات کا میدان اتنا وسیع ہے - کہ اس کی سرحد حواس ظاہری کے محسوسات اور عقل کے مدرکات سے بھی پرے ہے - کئی مرتبہ دل میں خود بخود ایک خیال پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ پوری طرح راسخ ہو جاتا ہے اُس وقت اس کو **یقین** کہتے ہیں - اور اس یقین کا دوسرا نام **اعتقاد یا عقیدہ** ہے جس کے معنی مضبوط یا پختہ ہونے کے ہیں - اور یہی یقین یا عقیدہ مذہب کا بنیادی اصول ہے:

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں الیقین الایمان کلہ کہ یقین پورا پورا ایمان ہے[1]:

حقیقت یہ ہے - کہ انسان کے سامنے سب سے پہلے حواس ظاہری کے محسوسات ہیں - اس سے آگے عقل کے مدرکات کا رتبہ ہے - عقل سے اوپر روحانی ادراک کا

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۸۴ - شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کتاب کی دوسری جلد میں احسان پر مفصل بحث کی ہے اور اس کے دوسرے مقدمے میں یقین کی تعریف اور اس کے عین ایمان ہونے اور ایمان کے عقل پر غالب آنے اور اس کے ممد ہونے کے اسباب پر جامع بحث کی ہے جسے ہم بلحاظ اختصار ترک کرتے ہیں۔

درجہ ہی رسالت و نبوّت اور مذہب کی ابتدا اسی درجہ سے ہوتی ہے۔ اس روحانی ادراک کی قوّت نہ صرف انبیاء میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ قوت مدرکہ ہر شخص کی فطرت میں اُس کی ذاتی استعداد کے مطابق کم یا زیادہ موجود ہوتی ہے۔ اور انسان اس قوت کے ذریعہ سے غیر مرئی اور نادیدہ روحانیات اور ان کے نظام کا ادراک کرتا ہے اور بن دیکھے خدا اور اُس کے سلسلۂ اسباب پر ایمان لاتا ہے۔ اور یہی قوّت ملکی ترقی پاکر انسان کو علم باری اور لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہ کر دیتی ہے۔ یہ تو انسان کے قوائے مدرکہ کی مختصر کیفیت ہے۔ دوسری جانب اس کو ایسے عملی قوائے عطا کئے گئے ہیں۔ جن کو وہ مفید کاموں میں لگانا چاہتا ہے۔ اور ان کو مضر اعمال کے ارتکاب سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور قوت بہیمی پر غلبہ پانا چاہتا ہے۔ اور افعال مذکورہ کو عمل میں لانے سے پہلے اُن کے نتائج و فوائد کا ذہن میں تصوّر کرتا ہے۔

چونکہ انسان جسمانی اور روحانی دو قسم کے قوےٰ کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے پیدائشی مذہب کے بھی دو حصّے ہیں علمی اور عملی۔ پس مذہب کی مکمل تعریف جو ان دو حصّوں پر حاوی ہے۔ اس طرح کی جاسکتی ہے:۔

کہ مذہب وہ قانون فطری ہے۔ جو انسان کو نادیدہ نظام ہستی کا یقین دلاتا ہے۔ اور ہستئ مطلق کی شناخت اور مناسبت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتا ہے؛

اور انسان کے ظاہری و باطنی قوےٰ کو فطرت کے صحیح اور مفید اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتا ہے؛

اس تعریف کا پہلا جزو رُوحانی اور باطنی تعلیم کے متعلق ہے۔ اور دوسرا جزو جسمانی اور ظاہری تعلیم سے تعلق رکھتا ہے۔ یا یُوں کہو۔ کہ پہلا حصّہ مذہب کے علمی اصولوں اور دوسرا حصّہ عملی اصولوں کے متعلق ہے؛

امام غزالی رح نے مذہب کی تعریف اس طرح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

کہ خداشناسی اور نیک کرداری کا شوق اور اعتقاد ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔
مگر جس شخص پر فطرت کا یہ راستہ واضح طور پر کھل جاتا ہے۔ اگر وہ اُس کے ساتھ مخلوق
کی بھلائی چاہتا ہے۔ اور تمام مخلوق کو اس راستہ کی جانب بلاتا ہے تو ایسے شخص کو **پیغمبر**
اور اُس کی حالت کو **معجزہ** اور اس کے راستہ اور طریق عمل کو **مذہب** یا **شریعت** کہتے
ہیں۔

امام صاحب رح کے الفاظ یہ ہیں:۔

"کسے کہ اورا ایں راہ کشادہ شد۔ اگر صلاح خلق جملہ وے را بنمائیند۔ و برآں دعوت
کند آں چہ اورا نمودہ اند۔ آں را **شریعت** گوئیند۔ وایں را **پیغمبر** گوئیند۔ و حالتِ
اورا **معجزہ** گوئیند"[1]

حقیقت میں **پیغمبر** اصلاح کے لئے اسی راستہ پر لوگوں کو چلاتا ہے۔ جو اُن کی
فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اسی راستہ کو دوسرے الفاظ میں **مذہب** یا
شریعت یا **دین** کہتے ہیں۔

پہلا سوال مذاہب کی تعریف کے متعلق تھا۔ جس کی تفصیل اوپر بیان کر دی گئی
دوسرا سوال اس کی ضرورت کے متعلق ہے۔

---

[1] کیمیائے سعادت ۱۴۰۔

مذہب کی ضرورت

آج اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے۔ اور مرض سرعت کے ساتھ اُس کے ہلاک کرنے پر آمادہ ہو۔ اور اُس وقت بعض اشخاص جنگل میں جائیں۔ اور جڑی بُوٹیوں کے خواص دریافت کرنے لگیں۔ تاکہ مریض کے لئے کوئی مُفید دَوا تیار کر سکیں۔ تو ظاہر ہے کہ ابھی وہ کسی معمولی دوا کے خواص دریافت کرنے نہ پائیں گے۔ کہ مریض کی زندگی ختم ہو جائے گی پس علم طِب کی موجودگی صحت انسانی کو قائم رکھنے کے لئے خیر و برکت کا موجب ہے علم طب کی مختلف شاخیں ہیں۔ اگر صرف خواص اَدویہ کی شاخ کو دیکھا جائے۔ اور اس فن کی کسی کتاب سے کسی دَوا کے افعال وخواص معلوم کئے جائیں۔ تو ظاہر ہو گا کہ انسان نے الہام یا بہت بڑی محنت وکسب اور تجربہ کے بعد اس دَوا کے یہ خواص دریافت کئے ہیں۔ علم الادویہ کی کتابوں میں ہر ایک بُوٹی یا دوا کے بے شمار فوائد اور مضار درج ہیں۔ اور وہ لوگ مبارک ہیں۔ جن کے پاس جسمانی صحت کو ترقی دینے اور قائم رکھنے کے لئے علم طب اور علم الادویہ کے معلومات کا مفید ذخیرہ موجود ہے۔ جس سے وہ اطباء کی وساطت سے مستفید ہو سکتے ہیں؛

مذہب روحانی طب ہے

اسی طرح انسان کی علمی و عقلی اور اخلاقی و رُوحانی زندگی اور صحت کو قائم رکھنے کے لئے ایک ایسی طب کی ضرورت ہے۔ جو انسان کو اُس کے نیک و بد مسلمات اور افعال سے جو بذاتہٖ مفید یا مضر ہیں۔ مطلع کرے۔ اُس روحانی طِبّ کو **مذہب** کہتے ہیں۔ مذہب میں انسان کے اخلاقی اور روحانی طور پر بیمار ہونے سے پہلے ہی ایسے معقول اور مفید اصول مذکور ہوتے ہیں۔ جن کو انسانی زندگی کے لئے صحیح اور مفید دستور العمل کہنا چاہیئے۔ اور روحانی مرض سے بچنے کے لئے

حفظ ماتقدم کی تدبیریں بھی اس میں مذکور ہوتی ہیں۔ اگر آج کوئی شخص مذہب یعنی روحانی طِب کے تجربہ شدہ نسخوں اور کتابوں کو چھوڑ کر نئے سرے سے اخلاقی حقائق دریافت کرنے لگے۔ تو وہ اپنی ساری عمر میں بمشکل ایک یا دو اخلاقی اصُول دریافت کرسکے گا۔ اس لئے وہ لوگ خوش قسمت ہیں۔ جن کے پاس مذہب کا روحانی طبیب اور ہدایت کی سچّی کتاب موجود ہے۔ جس میں مکمل اخلاقی ہدایتیں درج ہیں ؎

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ قوانین قدرت کے مطالعہ سے انسان کو ایسے قواعد معلوم ہوسکتے ہیں۔ جو اس کے اخلاق کو صحیح حالت میں رکھیں۔ لیکن اوّل تو اس قسم کے افراد بہت کم نکلیں گے۔ جو ان رازوں سے واقف ہوں۔ جو خدا نے انسان کی فطرت میں مخفی رکھے ہیں۔ اور اگر اُن کو یہ اسرار معلوم بھی ہو جائیں تب بھی وہ اپنی عمر کا خاص حصّہ صرف کرنے کے بعد اس درجہ پر پہنچیں گے۔ اس لئے حکیم مطلق نے دُنیا کی ہر ایک قوم بلکہ ہر ایک گاؤں میں ایسے اشخاص پیدا کئے۔ جن کی طبیعت میں قدرتی طور پر ایسا ملکہ موجود تھا۔ جس کے ذریعہ سے وہ انسانی قویٰ کے صحیح استعمال کے لئے اخلاق کا معقول اور سلیم راستہ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتے تھے۔ اور ان کی فطرت ایسی بنائی گئی تھی۔ کہ ان کے دلوں میں کسی محنت وتکلیف اُٹھانے کے بدون اعلےٰ اخلاقی وروحانی اصول جو انسانی زندگی کا دستور العمل ہیں۔ خود بخود القا ہوتے تھے۔ ایسے لوگوں کو نبی۔ ہادی۔ رسُول۔ پیغمبر کہتے ہیں۔ اور ان کے اخلاقی اور روحانی ہدایات کے مجموعہ کا نام مذہب ہے۔ اور صوفیہ کی اصطلاح میں مذہب سے مراد روحانی طِب ہے۔ جس کے ذریعہ سے روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا ازالہ ہوتا ہے۔

مذہب کے روحانی ہونے پر امام غزالی کی رائے

امام غزالی رح المنقذ میں لکھتے ہیں۔ کہ انبیاء روحانی طبیب ہیں اور مذہب روحانی طب ہے۔ جس سے روحانی بیماریوں کا علاج کیا

جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"کہ جب میں دس سال کے قریب خلوت گزین رہا۔ تو مجھے ذوق اور علم برہانی اور قبول ایمانی کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔ کہ انسان جسم اور قلب سے مرکب ہے۔ لیکن قلب سے وہ گوشت اور خون کا مضغہ مراد نہیں۔ جو بہائم اور مُردوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے وہ رُوح انسانی کی حقیقت مراد ہے۔ جو خدا شناسی کا مقام ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جسم کی طرح روح کو بھی صحت و مرض لاحق ہوتا ہے۔ اور روحانی مرض سے وہی شخص بچتا ہے۔ جس کا دِل سلیم ہو۔ اور قرآن شریف کی آیت ذیل میں اسی مضمون کی جانب اشارہ ہے:۔

الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ مگر وہ شخص جو خدا کے حضور سلامتی والے دِل کے ساتھ حاضر ہُوا (وہ نجات پائے گا)

روحانی مرض سے ابدی ہلاکت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا:۔

فی قلوبھم مرض۔ کہ ان کے دلوں میں مرض ہے؛

پس خدا سے ناواقف ہونا مہلک زہر ہے۔ اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہوئے خدا کی نافرمانی کرنا سخت مشکل مرض ہے۔ اور خدا شناسی اس کا حیات بخش تریاق اور نفسانی خواہشات کو ترک کرکے خدا کی اطاعت اس مرض کی شفا بخش دوا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ روح کا علاج اس کے بدون نہیں ہو سکتا۔ کہ ادویہ کے استعمال سے اس کا مرض دور کیا جائے۔ اور صحت حاصل ہو۔ جیسا کہ جسم کا علاج استعمال ادویہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اور جس طرح کہ جسم کی دوائیں جسمانی صحت کے حصول میں ایسی خاصیت کے ساتھ تاثیر کرتی ہیں۔ جس کو اہل عقل مایۂ عقل سے دریافت نہیں کر سکتے۔ بلکہ ان کو اس بارے میں ان اطبا کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ جنہوں نے اس خاصیت کے علم کو ان انبیاء سے حاصل کیا ہے۔ جو اپنے خاصۂ نبوّت کی وجہ سے خواص اشیاء سے واقف تھے۔ ایسا ہی مجھے یقینی طور پر ظاہر ہوا ہے۔ کہ عبادتوں کی دوائیں اپنے معین مخصوص حدود اور مقادیر کے ساتھ جو تاثیر رکھتی ہیں اس کی وجہ بھی اہل عقل کے مایۂ عقل سے دریافت نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس بارے میں ان انبیاء کی پیروی واجب ہے۔ جنہوں نے ان خواص کو نور نبوّت کے ذریعہ سے نہ کہ بواسطۂ عقل دریافت کیا۔ اور انبیاء روحانی بیماریوں کے طبیب ہیں۔" المنقذ ص۲۷

امام صاحبؒ احیاء العلوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

ثمرۃ ھذا العلم طب القلوب والارواح المتوصل بہ الیٰ حیوۃ تدوم ابد الآباد - جلد ا صفحہ ۴ و ۵ - دلوں اور روحوں کی وہ طب جس کے ذریعہ سے ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے علم دین کا ثمرہ ہے ؛

ریعت، یقت، یقت، تعریفیں

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ عام طور پر مذہب کو ظاہری احکام کا مجموعہ مانا جاتا ہے اور ظاہری علماء طریقت اور حقیقت کو اس سے خارج سمجھتے ہیں - لیکن یہ رائے صحیح نہیں - اس لئے کہ مذہب کا لفظ روحانی تعلیم اور اس کے نتائج پر حاوی ہے، اور وہ صرف ظاہری مسائل سے عبارت نہیں - درحقیقت روحانی اور اخلاقی اصول و مسائل کے علم کا نام **شریعت** ہے اور جب اس پر عمل کیا جائے تو وہ **طریقت** ہے اور اس کے عمل کا نتیجہ جو علت العلل اور اس کے سلسلۂ اسباب کا عینی مشاہدہ ہے - **حقیقت** ہے ؛

احمد بن حنبل شریعت کے نہ صرف عالم بلکہ اہل سنت والجماعت کے چار اماموں میں سے ایک امام تھے - لیکن وہ "حقیقت" کا علم حاصل کرنے کے لئے بڑے ادب و احترام کے ساتھ بشر حافیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے - اس پر کسی نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا کہ ظاہری علم میں بشر سے زیادہ جانتا ہوں خدا کا علم وہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے :-

گفت آخر مقتدائے عالمی ۔۔۔ از تو دانا تر نخیزد آدمی
ہر کہ میگوید سخن می نشنوی ۔۔۔ پیش او سر تا پا برہنہ می شوی
احمدِ حنبل چنیں گفتے کہ من ۔۔۔ گوئے بُردم از احادیث و سُنن
علم من زاں بہ بہ ہم نیک نیک ۔۔۔ او خدا را بہ ز من داند و لیک

(عطار)

بو علی بن سینا کے زمانہ میں ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ وہ ایک دن فرمانے لگے۔ کہ " ابنِ سینا ادب ندارد"۔ ابن سینا نے یہ جملہ سُنا۔ اور اپنی ایک تصنیف جو اخلاق و آداب کے متعلق تھی۔ شیخ کے پاس بھیجی۔ اور عرض کیا " من درباب آداب تصانیف چنیں دارم"۔ شیخ نے جواب دیا۔ کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ کہ ابنِ سینا ادب نداند" میں نے کہا تھا کہ " ادب ندارد "

ظاہر ہے کہ کسی چیز کو جاننا اور اس پر عمل کرنا دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ اخلاق کا علم شرع ہے۔ اور عمل طریقت ہے اور جب انسان عمل و مجاہدہ کرتا ہے تو اُسے حضور و مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا ان تعبد ربك کانك تراہُ کہ خدا کی ایسی عبادت کرو۔ گویا تم اُس کا مشاہدہ کر رہے ہو۔ جب یہ درجہ حاصل ہوتا ہے تو اُسے حقیقت کہتے ہیں ؎

مولانا روم دیوان میں فرماتے ہیں :۔

اگر پنہاں شوی از من ہمہ تاریکی کفر است   وگر پیدا شوی بر من مسلمانم بجانِ تو

پس وہ مذہب جس کے اصولوں پر عمل کرنے سے انسان کو مادی اور روحانی فائدہ پہنچے۔ اور خدا کی شناسائی حاصل ہو۔ وہ انسانی زندگی کے لئے مبارک اور فطری مذہب کہلانے کا مستحق ہے :۔

خوشا دردے کہ درمانش تو باشی   خوشا راہے کہ پایانش تو باشی

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ خدا آشناسی اور نیک کرداری مذہب کی رُوح ہے۔ اور یہ خیال سرتاسر غلط ہے۔ کہ شریعت اور حقیقت دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ دراصل شریعت کے اُصول اور احکام بمنزلہ جسم ہیں۔ اور حقیقت ان کی روح ہے۔ مذہب جسم اور رُوح دونوں سے مرکب ہے۔ اور مذہب رُوح کے حاصل ہونے کے بغیر مُردہ ہے۔ اور جب تک روحانی حقیقت کی تلاش نہ ہو۔ انسان اصلاحِ نفس کی جانب کامل

ے کلمات طیبات صفحہ ۱۴۲ ۔ مطبوعہ مراد آباد +

توجہ نہیں کرسکتا۔ نتیجہ اور غرض کو نظر انداز کرکے صرف عمل ہی کو مقصود اصلی سمجھنا اور ظاہری مذہب کے ہدایات پر اندھوں کی طرح عمل کرنا کافی نہیں ؛

باطن نفس ما چوں ہست کافر مشو راضی بدین اسلام ظاہر

پس نفس کافر کی اصلاح اور تزکیہ اخلاق اور مشاہدہ حقیقی کے لئے ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو طریقت اور حقیقت کا جامع ہو۔ اور اس اَمر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

در اصل انسان معلوم کرنا چاہتا ہے :-

۱ - کہ وہ کیا چیز ہے ؟

۲ - عالم کائنات کا ظہور کس طرح ہے ؟

۳ - تمام عالم کی مشین کو چلانے والی قوت اعظم جس سے ہر شئے زندہ اور قائم ہے کس طرح پہچانی جاسکتی ہے ؟

۴ - موجودہ زندگی بسر کرنے کا کونسا بہترین طریق ہے ؟

۵ - مرنے کے بعد کیا کیا واقعات اور حالات پیش آئیں گے ؟

ان پانچ سوالات مذکورہ کو حل کرنے کی خواہش ہر شخص کے دِل میں قدرتی طور پر موجود ہے۔ پس وہ علم یا قانونِ فطرت جس سے یہ سوالات حل ہوتے ہیں وہ مذہب ہے اور اس کے اُصول عقلی - الہامی - فطری - باطنی - روحانی ہیں - اور عقلمند اشخاص کو ایسے مذہب کے ماننے اور اُس کے اُصولوں پر چلنے کی قدرتی خواہش ہوتی ہے ؛

البتہ جن لوگوں کی عقلیں کُند اور ہمتیں پست ہیں - وہ مذہب کے صرف ظاہری احکام پر عمل کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن مکمل مذہب میں اس قسم کے لوگوں کے لئے بھی ہدایت کے اصول موجود ہوتے ہیں - بلکہ ان کی تبلیغ و ہدایت کی جانب مذہب زیادہ تر متوجہ ہوتا ہے۔ اِس لئے کہ اسرار حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لئے عقل سلیم اور طبع مستقیم اور بڑی محنت اور کوشش کی ضرورت ہے اور ایسے اشخاص کی تعداد بہت کم ہے ؛

اسرار حقیقت نہ شود حل بسوال نہ نیز بدر باختن نعمت و مال
تا جان نہ کنی خون نہ خوری پنجہ سال از قال ترا رہ نہ نمایند بہ حال (عمر خیام)

مذہب کے پانچ فائدے

درحقیقت مذہب کی ضرورت اس کے فوائد کی وجہ سے ہے اور وہ فوائد یہ ہیں

۱- مذہب اخلاقی ہدایتوں کا مجموعہ ہے - اس لئے مذہب کے ماننے والوں کو اپنی محنت اور عقل سے کسی اخلاقی اصول کو دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ؛

۲- عوام کے دلوں میں مذہب کے نیک اثر سے خداشناسی کا شوق پیدا ہوتا ہے ؛

۳- مذہب مادی دُنیا کے علاوہ ایک اور وسیع ترین روحانی عالم اور اُس کی موجودات اور واقعات پر ایمان لانے کی ہدایت کرتا ہے - جس سے ان کے حقائق کو دریافت کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے - اور اس طرح انسان کے علم میں بیش بہا اضافہ ہوتا ہے ؛

۴- مذہب کے علمی اور عملی اصولوں کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی وجہ سے انسان نہ صرف جلوت و حضور بلکہ خلوت تنہائی میں بھی پاکباز بن جاتا ہے - اور جس حالت میں کہ دشمن کا کھٹکا اور حکومت کا ڈر اور سوسائٹی کا خوف نہیں ہوتا - اس وقت بھی مذہب کے اُصولوں کو دل سے سچا ماننے والا کسی گناہ یا بدعملی یا جرم کے ارتکاب کیلئے تیار نہیں ہوتا ؛

۵- دُنیا میں تین قسم کے افراد پائے جاتے ہیں - بالطبع شریر - بالطبع نیک - بالطبع نہ شریر اور نہ نیک - مذہب کی پند و نصیحت - اور اس کی اخلاقی ہدایتیں تیسری قسم کے لوگوں کے لئے نہایت مفید اور کار آمد ہیں - اِس لئے کہ اُن کی صاف طبیعتیں ہر ایک اثر کو نیک ہو یا بد - قبول کرنے کے لئے تیار ہوتی ہیں +

اگر اعتراض کیا جائے کہ بعض ماہرانِ مذہب کے اخلاقی اور روحانی حالات اچھے نہیں ہوتے - حالانکہ وہ مذہب سے واقف ہوتے ہیں - تو اس کا جواب وہی ہے جو شیخ

موصوف نے حکیم ابن سینا کو دیا تھا۔ کہ "ایشاں مذہب بدانند و لے ندانند"۔

مذہب کی ضرورت پر شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے

شاہ ولی اللہ صاحب نے مذہب کی ضرورت فلسفیانہ طریق پر بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"کہ ہماری رائے اہلِ زمانہ کی رائے سے مختلف ہے۔ صوفیائے کرام کہتے ہیں۔ کہ انسانی زندگی کی اصلی غرض فنا و بقا اور مستہلک ہونا ہے۔ لیکن ہر شخص فنا و بقا کے مدارج طے نہیں کر سکتا اس لئے شرع نے معاش کے اہتمام اور بدنی عبادتوں کی بجا آوری کا حکم دیا۔ متکلمین کی رائے ہے کہ جو کچھ شریعت میں مذکور ہے وہی مطلوب ہے"۔

"ما مے گوئیم مطلوب باعتبار صورت نوعیہ انسان بجز شرع نیست و شارع بیان آن اصلی فرمودہ برائے خاصہ و عامہ"۔

"ہم کہتے ہیں کہ انسان کے لئے اس کی صورت نوعیہ کی رو سے بجز شریعت کے اور کچھ مطلوب نہیں اور شارع نے اس کی اصلیت کو خاص و عام کے لئے بیان کر دیا ہے"۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نوعِ انسانی قوائے ملکی اور بہیمی کا جامع ہے۔ اور قوتِ ملکی کو قوتِ بہیمی کو مغلوب کرنے میں اس نوع کی سعادت ہے اور اس نوع کے افراد کی پیدائش اس طرح ہوئی ہے کہ ان کی روحیں اعمال و اخلاق کا رنگ قبول کرتی ہیں۔ اور ان کو اپنے میں ملا لیتی ہیں اور موت کے بعد ان کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ جیسا کہ جسم غذا کی کیفیت کو قبول کرتا ہے اور اس کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔ اور ردی غذا کو اپنے ساتھ ملانے سے بدہضمی اور تپ وغیرہ امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے بے شبہ روحِ انسانی میں یہ قابلیت بھی موجود ہے۔ کہ وہ حظیرۃ القدس سے ملحق ہو کر الہام اور الہام سے فرحت و مسرت حاصل کرتی ہے"۔

اگر نوعِ انسانی کو یونہی چھوڑ دیا جاتا۔ تو روحانی امراض اس کے اکثر افراد کو رنج پہنچاتے۔ خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے اسکی کارسازی کی۔ اور اس کو نجات کا رستہ دکھلایا۔ اور پیغمبروں کو جو زبان غیب کے ترجمان ہیں لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا کیا۔ تا کہ لوگوں پر اپنی نعمت کو پورا کرے۔ اور ربوبیت کی شان نے بھی جو ایجاد خلق کی مقتضی تھی۔ طریق مذکور سے دستگیری کی۔ اور انسان کی صورت نوعیہ نے زبان حال سے مبداء فیاض یعنی خدا کے حضور سے مذہب کو طلب کیا۔ اس لئے مذہب کا حکم تمام افراد پر واجب التسلیم ہے۔ فنا و بقا خاص افراد کی ذاتی قابلیت اور استعداد کے لحاظ سے ضروری ہے۔ کیونکہ بعض افراد بالطبع علو اور تجرد کی جانب مائل ہوتے ہیں اس لئے خدا ان کو وہ راہ دکھلا دیتا ہے ورنہ یہ مذہب کا عام حکم نہیں ہوتا"۔ (وصیت نامہ فارسی مطبوعہ احمدی صفحہ ۸)

مذہب اور فطرتِ انسانی

اگر شبہ پیدا ہو کہ عام طور پر عیسائی باپ کا بیٹا عیسائی - ہندو باپ کا بیٹا ہندو - اور مسلمان باپ کا بیٹا مسلمان ہوتا ہے - اس سے ظاہر ہے - کہ مذہب اپنے باپ دادا کے عقائد و رسوم کی کورانہ تقلید کا نام ہے - اور وہ محض رسم و رواج اور تقلید سے وجود میں آتا ہے - اور اس کی بنا کسب و عادت پر ہے نہ کہ فطرت پر :

تو یہ شبہ غلط ہے - گو کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے - لیکن مطلق مذہب کو ماننا انسان کا فطری تقاضا ہے - البتہ شخصی اور جزوی مذاہب کی پیروی بالعموم آبائی کورانہ تقلید سے کی جاتی ہے - مگر مطلق مذہب کی پابندی فطرتِ انسانی کا صحیح تقاضا اور قدرتی جذبہ ہے - ہم اس دعویٰ کی تائید میں پانچ دلائل ذیل میں لکھتے ہیں :-

پہلی دلیل دہریہ، کواکب پرست، مجوسی، یہودی، عیسائی غرض دنیا کی سب قومیں اور فرقے اپنے اپنے دلی خیالات اور عقائد کے ایسے گرویدہ اور شیدائی ہیں کہ ہر اہلِ مذہب اپنے ہی مذہب اور اعتقاد کو سچا اور صحیح سمجھتا ہے اور دوسروں کو برسر ناحق جان کر اُن کی ہر طرح سے تکذیب و تذلیل روا رکھتا ہے - مگر باوجود اس عظیم مذہبی اختلاف کے ہر شخص ضرور کسی نہ کسی دلی خیال یا عقیدہ کا معتقد ہے - منکرِ خدا دہریت اور خدا پرست خدا پرستی کو اپنا مذہب سمجھتے ہیں - جو لوگ لا مذہب ہونے کے مدعی ہیں - اُن کا مذہب لا مذہب ہونا ہے - پس یہ کہنا بالکل بجا ہے - کہ مطلق مذہب کو ماننا فطرتِ انسانی میں داخل ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی ایسے مسلک یا اعتقاد یا دلی خیال یا مذہب کا پابند ہے - جس کے مطابق وہ اپنے عقلی و جسمانی قوے کو عمل میں لانا چاہتا ہے - اور ان قوے کے استعمال سے جو افعال ظہور میں آتے ہیں ان کو نیک یا بد، مفید یا مضر سمجھتا ہے :

اگر کہا جائے - کہ بعض اشخاص پیدائشی طور پر مذہب کی پابندی سے کلی طور پر منکر

ہوتے ہیں۔ اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ مذہب کو ماننا تمام افراد انسانی کا خاصہ نہیں۔ تو یہ شبہ غلط ہے۔ اس لئے کہ معدودے چند منکران مذہب کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کئی مرتبہ بعض اشخاص پیدائشی طور پر گونگے اور بے عقل پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے اس قاعدہ کلیہ کی صحت میں کہ "ہر شخص ناطق اور عاقل ہے" کچھ خلل پیدا نہیں ہوتا۔

دلیل مذکور کی منطقی ترتیب یہ ہے:۔

پہلا مقدمہ۔ جو خاصہ یا جذبہ تمام افراد انسانی میں مشترک ہو۔ وہ فطری ہے۔

دوسرا مقدمہ۔ تمام افراد انسانی کسی نہ کسی عقیدہ یا مذہب کو ماننے میں مشترک ہیں۔

نتیجہ۔ کسی نہ کسی مذہب کو ماننا انسان کا فطری خاصہ ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگوں کو مذہب کی جو ایک علم ہے۔ روحانی اور اخلاقی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ایسی ہی ضرورت ہے۔ جیسا کہ جسمانی زندگی کے بقاء و قیام کے لئے علم طب یا کھانے پینے کی حاجت ہے۔

حسن بن صالح علم حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ان الناس یحتاجون الی ھذا العلم فی دینھم کما یحتاجون الی الطعام والشراب فی دنیاھم مسند دارمی صفحہ ۵۲۔

بیشک لوگ اپنے مذہب میں اس علم کی جانب ایسے محتاج ہیں جس طرح کہ دنیاوی زندگی میں کھانے اور پینے کے حاجتمند ہیں۔

دوسری دلیل | پہلا مقدمہ۔ مفید علمی و عملی اصولوں کو ماننا انسان کا فطری تقاضا ہے۔

دوسرا مقدمہ۔ مذہب مفید علمی اور عملی اصولوں کے ماننے کی تعلیم دیتا ہے۔

نتیجہ۔ مذہب کو جو مفید علمی اور عملی اصولوں کی تعلیم دے۔ ماننا انسان کا فطری تقاضا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عام طور پر اہل مذہب خیال کرتے ہیں۔ کہ مذہب نے

مذہب کا بنیادی حصہ ہونا ضروری ہے

جن عقائد و احکام کی تسلیم و تعمیل کا حکم دیا ہے۔ یا جن سے منع کیا ہے۔ اُن کا اچھا یا بُرا ہونا یا اشیاء کا حلال یا حرام قرار دیا جانا اس امر پر موقوف ہے۔ کہ مذہب نے انکی نسبت ایسا حکم دے دیا ہے ورنہ فی نفسہٖ کوئی شئے مفید یا مضر نہیں۔ چنانچہ مسلمانوں میں فرقہ اشعریہ کی یہی رائے ہے۔ لیکن معتزلہ اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر شئے بذاتہٖ مفید یا مضر ہوتی ہے۔ مذہب صرف مفید شئے کے اچھے ہونے اور مضر شئے کے بُرے ہونے کو ظاہر کر دیتا ہے۔ عقل کی کسوٹی پر معتزلہ کی رائے صحیح ثابت ہوتی ہے اور قرآن شریف بھی اسی رائے کا موئید ہے۔ قرآن حکیم میں رسُول خدا صلعم کے متعلق مذکور ہے۔

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ۔ پ ۹ اعراف ع ۹۔

وہ ان کو اچھے کام کا حکم کرتے ہیں۔ اور بُرے کام سے روکتے ہیں۔ اور وہ ان کے لئے پاک (مفید) چیزوں کو حلال اور ناپاک (مضر) چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

اس آیت کے علاوہ اور بہت سی آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ جن میں مفید چیزوں کے جائز اور مضر چیزوں کے ناجائز ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو شئے فی نفسہٖ اچھی ہے۔ یا عدل و عقل کی میزان پر پُوری اُترتی ہے۔ مذہب اس کے تسلیم و عمل کی اجازت دیتا ہے۔ اور جو بذاتہٖ بُری ہے۔ یا جو عقیدہ فی نفسہٖ مذموم ہے۔ اس سے لوگوں کو منع کرتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مذہب نے بُرے عقائد اور مضر اشیاء کو منکر۔ فحشاء۔ بغی وغیرہ مختلف ناموں سے تعبیر کیا۔ فرمایا

(۱) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔ پ ۱۴ نحل ع ۱۹،

بیشک خدا عدل و احسان اور قرابت والوں کی مدد دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کی نامناسب باتوں و نامناسب حرکتوں اور ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کرنے سے منع فرماتا ہے

(۲) قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ پ اعراف ع

اے پیغمبر ان سے کہدو کہ خدا نا واجب احکام کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم خدا کی نسبت وہ باتیں کہتے ہو جن کا تم کو علم نہیں ان کو کہدو کہ میرے پروردگار نے صحیح کام کا حکم دیا ہے۔

معین بن صفی مؤخر الذکر آیت کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں :-

فانہ لا یامر الا بما لا ینفر عنہ الطبع السلیم ولا یستحیہ العقل المستقیم۔ جامع البیان ص ۱۲۳

کہ خدا اس چیز کی جس سے طبع سلیم نفرت کرتی ہے اور جس کو عقل صحیح معیوب جانتی ہے اجازت نہیں دیتا۔

قرآن شریف میں دوسری جگہ مذکور ہے :-

(۳) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ پ اعراف ع

اے پیغمبر ان سے دریافت کرو کہ خدا نے جو زینت اور کھانے کی چیزیں اپنے بندوں کے لئے بنائیں ان کو کس نے حرام کر دیا ہے؟

(۴) قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ پ اعراف ع

اے پیغمبر ان سے کہدو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے افعال کو وہ کھلے ہوں یا پوشیدہ اور گناہ اور ناحق کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کو اور یہ کہ تم خدا سے شرک کرو جو کہ بے دلیل بات ہے اور خدا کی نسبت ایسی باتیں کہو۔ جن کا تم کو علم نہیں۔ منع فرمایا ہے۔

امام رازی مقدم الذکر آیت کی تفسیر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

فہذہ الآیۃ تقتضی حل کل المنافع وھذا اصل معتبر فی کل الشریعۃ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۲۰۰

کہ یہ آیت تمام مفید چیزوں کے حلال ہونے کی مقتضی ہے اور یہی سارے مذہب میں معتبر اصول ہے۔

امام صاحب آیہ انہ لا یحب المعتدین ولا تفسدوا فی الارض کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں

هٰذہ الاٰیة تدل علیٰ ان الاصل فی المضار الحرمة والمنع علی الاطلاق۔

تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۳۶

یہ آیت بتاتی ہے کہ مضر چیزوں کی نسبت قاعدہ یہ ہے۔ کہ وہ علم طور پر حرام اور ممنوع ہیں۔

تصریحات بالا سے ثابت ہے۔ کہ جو شئے مفید ہے۔ وہ حلال اور جائز اور پاک ہے۔ اور جو مضر ہے۔ وہ حرام اور ناجائز اور ناپاک ہے۔ اور قرآن شریف میں اشیاء کی علت حرمت اور جواز و عدم جواز کا معیار نفع و ضرر قرار دیا گیا ہے۔ پس جب مذہب مفید شئے کا فائدہ اور مضر چیز کا ضرر بیان کرتا ہے تو اس کے فطری ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ جو شئے فطری تقاضا کو پورا کرے۔ وہ خود بھی فطری ہوتی ہے۔

تیسری دلیل انسان اپنی موجودہ حالت پر مطمئن نہیں۔ اس کے دل میں کئی مرتبہ سوالات ذیل پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) میں کیا چیز ہوں؟

(۲) کائنات عالم موجودہ شکل میں کس طرح ظہور پذیر ہے؟

(۳) اور وہ کونسی قوت اعظم ہے۔ جس پر تمام نظام عالم کا قیام اور ہر موجود شئے کی زندگی اور مفاد کا مدار ہے؟

(۴) موجودہ زندگی بسر کرنے کا کونسا بہترین طریقہ ہے؟

(۵) موت کے بعد کیا حالات اور واقعات پیش آئیں گے؟

جس شخص کے دل و دماغ میں ذرہ برابر بھی عقل و فہم موجود ہے اُس کو یہ سوالات کسی وقت چین لینے نہیں دیتے۔ اور وہ ہمیشہ ان سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ کبھی سائنس اور فلسفہ کے سامنے یہ سوالات پیش کرتا ہے کبھی کسی صوفی کی مجلس یا بزرگ کی مشہد سے ان سوالوں کا جواب طلب کرتا ہے۔ لیکن جب غور کیا جاتا ہے۔ تو مذہب کے سوا کوئی دوسری چیز سوالات مذکورہ کے شافی و وافی

جواب دینے کا ذمہ اپنے سر پر نہیں لیتی - یہ سوالات انسان کے دل و دماغ میں طبعی اور فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں - اس لئے جو علم یا قانون یا مذہب ان سوالوں کا تسلی بخش اور معقول جواب دے گا - وہ فطرت انسانی کے صحیح تقاضا کو پورا کرنے کی وجہ سے انسان کا فطری مذہب ہوگا - اور اس دلیل سے نہ صرف مذہب کے انسان کے لئے فطری جذبہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے - بلکہ فطری مذہب کی شناخت کے لئے بھی صحیح معیار معلوم ہو جاتا ہے اور وہ معیار یہ ہے :-

کہ جو مذہب مذکورہ بالا پانچ سوالوں کا شافی جواب دے - وہی انسان کا فطری مذہب ہے؛

چوتھی دلیل فطرتِ ربّانی نے ہر موجود شئے کو قائم رکھنے اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے حفاظت اور رہنمائی کے تمام فطری سامان مہیا کر دیئے ہیں - بکری کا بچّہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی دودھ پینے لگتا ہے - اور بھیڑیئے کو دیکھ کر بھاگتا ہے - گھاس چرتا ہے - ایسا ہی ہر حیوانی اور نباتی اور جمادی چیز کے لئے فطرت کا مقررہ دستور العمل اور قانون بنا ہوا ہے - جس پر وہ اپنے فطری تقاضا سے عمل پیرا ہے - اور وہ قانون فطری ہر طرح سے اس کا محافظ ہے - چونکہ انسان تمام مخلوقات اور کائنات سے بہترین ہستی ہے اور عقل و ادراک اور نطق و فہم کے صفات سے موصوف ہے - اس لئے قدرت نے اس کی زندگی کو ہر طرح سے کامیاب اور مفید اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے ایسا فطری قانون وضع کیا ہے - جس کے قواعد اور اصول ناقابل تبدیل ہیں - اور ہر شخص کی پیدائش اسی قانون پر ہوتی ہے - اور اس قانون کے تمام اصول و قواعد علم یقینی کی بنیاد پر قائم ہیں - اور انسان اپنی طبعی اور عقلی اور فطری خواہش سے ان اصولوں کا علم حاصل کر کے ان پر عمل کرنا چاہتا ہے - جیسا کہ چرند گھاس چرتے ہیں اور پرند اُڑتے ہیں - ایسا ہی انسان یقینی علم کے قاعدوں پر چلنے کا خواہشمند ہے *

امام غزالی کی رائے مذہب کے یقینی علم پر مبنی ہونے کے متعلق امام غزالی المنقذ کے شروع میں لکھتے ہیں

"میں نے لڑکپن کے زمانہ سے رشتہ تقلید چھوڑ دیا۔ اور موروثی عقائد کو ترک کر دیا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ عیسائیوں کے لڑکے عیسائیت اور یہودیوں کے لڑکے یہودیت پر اور مسلمانوں کے لڑکے اسلام پر نشوونما پاتے ہیں۔ اور میں نے رسولِ خدا صلعم کی یہ حدیث سنی :۔

کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ تب میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ میں فطرت اصلی کی حقیقت اور ماں باپ یا استاد کی تعلیم و تلقین سے جو عقائد عارض ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق معلوم کروں۔ تو مجھے پہلے ضروری معلوم ہوا۔ کہ میں یقینی علم کی ماہیت سے واقف ہو جاؤں :

مذہب پر مبنی ہے

علم یقینی وہ ہے کہ جس سے ذریعہ سے معلوم کی ایسی حقیقت دریافت ہو جائے۔ کہ اس کی نسبت کچھ شبہ باقی نہ رہے اور وہم یا غلطی کا اس کے قریب آنا ممکن نہ ہو۔ اور نہ دل میں وہم و شک پیدا ہو۔ بلکہ غلطی اور خطا سے امن میں رہنے کے ساتھ ایسا یقین ہو

کہ اگر اس علم یقینی کے بطلان کو ثابت کرنے کے لئے کوئی شخص تحدی کرے۔ کہ میں پتھر کو سونا اور عصا کو سانپ بنا دیتا ہوں۔ تو اس سے علم مذکور میں کچھ شک و انکار پیدا نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ جب میں نے جان لیا۔ کہ دس تین سے زیادہ ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص کہے نہیں بلکہ تین زیادہ ہیں اور دلیل یہ دے کہ میں اس عصا کا سانپ بنا دیتا ہوں۔ اور بنا بھی دے۔ اور میں نے اس واقعہ کا اس سے مشاہدہ بھی کر لیا ہو تو اس مشاہدہ کے باعث میرے علم میں شک و شبہ پیدا نہ ہوگا۔ اور مجھے صرف تعجب ہوگا کہ وہ کس طرح اس کام پر قادر ہو سکا۔ لیکن مجھے اپنے علم میں شبہ نہ ہوگا۔ پس میں نے جان لیا۔ کہ جس شئے کا علم اس طرح اور ایسا یقینی نہ ہو وہ قابل اعتبار نہیں اور نہ اس کی بنا پر غلطی سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ اور جس علم کی وجہ سے انسان غلطی سے نہ بچ سکے وہ یقینی علم نہیں۔ امام صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں :۔

لو تحدی یاظھار بطلانہ مثلا من یقلب الحجر ذھبا والعصا ثعبانا لم یورث ذلک شکا وانکارا فانی اذا علمت ان العشرۃ اکثر من الثلاثۃ فلو قال لی قائل لا بل الثلاثۃ اکثر بدلیل انی اقلب ھذہ العصا ثعبانا و قلبھا و

شاهدت ذلك منه لو اشك بسببه فى معرفتى وله يحصل لى منه الا التعجب من كيفيته قدرته عليه فاما الشك فى ما اعلمته فلا ثم علمت ان كل ما لا اعلمه على هذا الوجه ولا اتيقنه هذا النوع من اليقين فهو علم لا ثقة به ولا امان معه وكل علم لا امان معه فليس بعلم يقيني

(المنقذ صفحہ ۳ و ۴)

امام صاحب کی تقریر مذکور سے ظاہر ہے۔ کہ اخلاقی اور روحانی حقائق کے متعلق یقینی علم حاصل کرنا ہر شخص کا فطری فرض ہے۔ جس کے ذریعے سے وہ آبائی مذہب اور فطری دین میں فرق معلوم کر سکتا ہے۔ اور یہ بدیہی امر ہے کہ جس شئے کے ذریعہ سے انسان کو اخلاقی اور روحانی حقائق کا یقینی علم اور انکشاف حاصل ہو۔ وہ فطری ہی ہو سکتی ہے اور جب اخلاقی اور روحانی حقائق کا اصلی ادراک حاصل کرنا انسان کا فطری تقاضا ہے، اور مذہب اخلاق اور روحانیت کے متعلق اس تقاضا کو پورا کرنے کا سچا کفیل ہے تو مذہب کے فطری ہونے میں کچھ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا؛

اس دلیل کی منطقی ترتیب یہ ہے:۔

پہلا مقدمہ جس شئے سے انسان کو اخلاقی اور روحانی حقائق کا یقینی علم حاصل ہو اور وہ فطری ہے؛

دوسرا مقدمہ۔ مذہب سے اخلاقی اور روحانی حقائق کا یقینی علم حاصل ہوتا ہے؛

نتیجہ۔ مذہب فطری شئے ہے؛

پانچویں دلیل فطرت انسانی میں غضبی و شہوانی وغیرہ مختلف قوائے پائے جاتے ہیں۔ اگر ان قوائے پر عقل کا حاکم حکومت نہ کرے۔ تو یہ قوتیں حد اعتدال سے تجاوز کر کے عالم میں بدترین حالات اور واقعات پیدا کر دیں۔ عقل کی بدولت انسان متمدن زندگی امن کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ اور وہ دوسرے شخص کا مال چھیننے سے متنفر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عقل اسے ہدایت کرتی ہے۔ کہ اگر اس نے دوسرے شخص کے مال کو چھینا یا اُس کی

عزّت وجان پر حملہ کیا تو دوسرا شخص بھی اس سے ایسا ہی برتاؤ کرے گا؛

لیکن بعض حالات اور واقعات ایسے پیش آتے ہیں۔ جن میں بھید کے کھُلنے کا خوف نہیں ہوتا۔ اور نہ دشمن یا شخص متعلق کے علم کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بلکہ حظِ نفسانی یا مال وجاہ کے حصُول کا یقین ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں عقل فتویٰ دیتی ہے۔ کہ اگر یہ کام کرلیا جائے تو اُس میں بجائے نقصان کے فائدہ ہوگا۔ لیکن اس وقت انسان کا باطنی داعی یا خاطر نُورانی یا برہان روحانی یا کانشنس یا نورِ بصیرت بڑے زور سے پکارتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ دیکھنا۔ کہیں اس دروازے میں قدم نہ رکھنا۔ ورنہ اسی جگہ گر جاؤ گے۔ اور تمہاری پاک اور نورانی رُوح اس عمل بد کے سیاہ نقطہ سے مکدر ہو جائے گی۔ چنانچہ انسان اس اندرونی تحریک سے مجبور ہو کر ایسی حالت میں جب کہ عقل عاجز آ چکی تھی۔ اعمالِ ذمیمہ اور غضبی و شہوی قویٰ کی بے اعتدالیوں کو عمل میں لانے سے اجتناب کرتا ہے۔ یہ داعی یا حاسہ اگرچہ ہر شخص کی طبیعت میں فطری طور پر موجود ہے۔ لیکن اُس کی اصلاح و تکمیل اس عقل سے ہوتی ہے۔ جو مذہب کے نور سے منوّر ہو۔ اور یہی حاسہ فطری مذہب کی رُوح و رواں ہے جس پر مذہب کی قبولیت اور ایمان کا مدار ہے؛

قرآن شریف اور **حدیث** کی کتابوں میں متعدد جگہ اس حاسہ فطری کا ذکر کیا گیا ہے قرآن شریف میں اس حاسہ کو برہان یا ملکہ خشیت ربانی یا خوف الٰہی کے نام سے تعبیر کیا۔ اور یہی وہ **برہان** ہے جس کی بدولت حضرت یوسفؑ کنج تنہائی میں جہاں کہ کسی دشمن کا خوف نہ تھا۔ بلکہ حظ نفسانی اور جاہ و مال کے حصُول کی قوی امید تھی۔ گناہ سے باز رہے۔ فرمایا:۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ پ۱۲ - یوسف - ع۳؛

اگر یوسفؑ اپنے پروردگار کا برہان نہ دیکھتا۔ تو وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا؛

جب یوسف علیہ السلام کو خلوت میں عمل مذموم کے لئے مجبور کیا گیا۔ تو وہ فرمانے لگے؛

کانشنس امتحان پہلا

نورانی کی محکمانہ نیچے دونوں

رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ و الا تصرف عنی
کیدھن اصب الیھن و اکن من الجاھلین پ ۱۲ - یوسف - ع ۳

اے پروردگار قید خانہ مجھے بہ نسبت اس عمل کے جس کی جانب یہ بلاتی ہیں - زیادہ پسند ہے - اگر تو مجھ سے ان کی بری تدبیر کو نہ روکتا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاتا اور اسرار فطرت کے ناواقفوں سے بن جاتا۔

توراۃ کتاب پیدائش باب ۳۹ ورس ۹ میں مذکور ہے:
کہ یوسف نے کہا پھر میں ایسی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار بنوں:

من از بینائے داناچوں نترسم | ز قیوم توانا چوں نترسم
بگفت ایں و زمیان کار برخاست | وزاں خوش خواب گہ بیدار برخاست

حضرت عمر رضی کے عہد خلافت میں رات کے وقت مدینہ میں ایک عورت اپنے شوہر کی جدائی سے تنگ آکر جو میدان جنگ میں دیر سے گیا ہوا تھا - فراق کے اشعار گا رہی تھی - اس عورت نے گھر کے دروازے بند کر رکھے تھے - حضرت عمرؓ دروازے کے باہر کھڑے اشعار سن رہے تھے ان میں سے بعض یہ ہیں :-

تطاول ھذا اللیل تسری کواکبہ | وارقنی ان لا ضجیع الاعبہ
رات لمبی ہو گئی ہے اور ستارے چمک رہے ہیں | اور مجھے اس خیال نے جگا رکھا ہے کہ میرا ہمخواب نہیں جس سے کھیلوں
فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ | لزعزع من ھذا السریر جوانبہ
خدا کی قسم اگر برے اعمال کے برے انجام کا خوف نہ ہوتا | تو اس تخت کے کنارے جنبش میں ہوتے
ولکنی اخشی رقیبا موکلا | یانفسنا لایفتر الدھر کاتبہ
لیکن میں اس محافظ سے ڈرتی ہوں جو ہمارے نفسوں پر موکل ہے | اور جس کے کاتب کسی وقت نہیں تھکتے،

حضرت عمر رضی نے اس کے بعد حکم نافذ کر دیا - کہ کوئی سپاہی میدان جنگ میں چار ماہ سے زیادہ عرصہ تک نہ رہے [1]

مختصر یہ ہے - کہ جب عقل نور ایمان سے منور ہو جاتی ہے - تو اس وقت دل میں

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۵

وہ ملکہ یا برہان پیدا ہوتا ہے۔ جس کے اثر سے خلوت و تنہائی میں بھی انسان عملِ مذموم سے احتراز کرتا ہے۔ اس ملکہ کے پیدا ہونے کو آیت ذیل میں خوف ربّانی کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ فرمایا:۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى پ۳۰۔ نازعات۔ ع۲۔

کہ جس شخص نے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا۔ اور نفس کو خواہشات سے روکا تو بے شک بہشت اس کا ٹھکانا ہے:۔

رسول خدا صلعم نے اس حاسۂ فطری کا نام **داعی فطری** (فطرت کا پکارنے والا) اور **واعظِ الٰہی** (خدائی ناصح) رکھا ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں:۔

"کہ ایک مرتبہ رسول خدا نے مثال بیان فرمائی کہ لوگو دیکھو ایک راہ راست ہے اور اس کے دائیں اور بائیں دو دیواریں ہیں ان دیواروں میں ایسے دروازے کھلے ہوئے ہیں جن پر پردے آویزاں ہیں اور اس راستہ کے شروع پر ایک پکارنے والا کہتا ہے استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا اس راستہ پر سیدھے چلو اور کج رفتاری نہ کرو۔ اس پکارنے والے کے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی دروازے کو کھول کر آنا چاہتا ہے تو وہ پکار کر کہتا ہے۔ کہ خبردار اس دروازے کو نہ کھولنا۔ اگر کھولوگے تو اس میں گر پڑوگے۔ اس کے بعد رسولؐ خدا صلعم نے اس مثال کی تفصیل بیان فرمائی۔ اور بتایا کہ راہ راست سے اسلام اور کھلے دروازوں سے محارمِ الٰہی اور آویزاں پردوں سے حدود خداوندی اور راستہ کے شروع میں پکارنے والے سے قرآن مراد ہے۔ اور اس سے اوپر پکارنے والا خدا کا وہ ناصح ہے جو مومن کے دل میں موجود ہے هُوَ وَاعِظُ اللهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ)

اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور امام احمد و رزین نے روایت کیا ادر

ترمذی نے جامع میں اس کا یہ روایت نواس بن سمعان مختصر طور پر ذکر کیا ہے +

| کانشنس پر شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے | شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں حدیث مذکور |

کی شرح کرتے ہوئے اس واعی فطری کو خاطر نورانی اور برہان روحانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

کہ رسول خدا صلعم نے اس حدیث میں دو داعی یعنی پکارنے والوں اور بلانے والوں کا ذکر فرمایا۔ ایک داعی راستہ کے شروع پر ہے وہ قرآن اور مذہب ہے جو انسان کو ہمیشہ معین طریق سے راہ رہست کی جانب بلاتا ہے؛ دوسرا داعی سالک یعنی راستہ پر چلنے والے شخص کے سر پر موجود ہے۔ جو کہ ہر وقت اس کا محافظ ہے۔ جب سالک گناہ کا عزم کرتا ہے تو وہ داعی اس پر چلا اٹھتا ہے۔ اور یہ داعی وہ خاطر (ضمیر) ہے جو اس کے دل سے پیدا ہوتا ہے جس کی سرشت ایسے نور عقل سے بنی ہے۔ جسے مذہب کے نور نے منور کر رکھا ہے۔ اور اس داعی کا حال اس شرارہ کی مانند ہے۔ جو کہ لحظہ بلحظہ پتھر سے چمک کر نکلتا ہے۔ اور بہت مرتبہ خدا اپنے بعض بندوں میں ایسا غیبی لطیفہ پیدا کر دیتا ہے۔ جو شخص مذکور اور گناہ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ برہان ہے جس کی نسبت آیہ ولقد ھمت بہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

وھو الخاطر المنبجس من القلب المتولد من بین جبلۃ القلب والنور الفائض علیہ من العقل المنور بنور القرآن وانما ھو بمنزلۃ شرر ینقدح من الحجر نفعۃ وربما یکون من اللہ تعالیٰ لطف ببعض عبادہ باحداث لطیفۃ غیبیۃ تحول بینہ وبین المعصیۃ وھو البرھان المشار الیہ فی قولہ تبارک وتعالیٰ ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رأی برھان ربہ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۹۲)

شاہ صاحب کے نزدیک وہ حاسۂ اخلاقی جو ہر شخص کی فطرت میں موجود ہے۔ خاطر یا ضمیر اور وہ لطیفۂ غیبی جو بعض نیک نہاد اشخاص کی فطرت میں پایا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ گناہ سے باز رہتے ہیں برہان کے نام سے موسوم ہے۔ شاہ صاحب کی رائے میں برہان کا درجہ خاطر یا علم ضمیر کے مقابل میں فائق ہے۔ یعنی برہان معمولی نور ایمان سے اوپر کے درجہ کی قوت کا نام ہے۔

اس فطری ناصح یا کانشنس کے امتحان کا ایک اور موقع بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ انسان کو ایسے ناگزیر حالات پیش آتے ہیں۔ جن میں اس کو اپنی جان کے مارے جانے اور عزت کے ڈوب جانے کا خوف ہو جاتا ہے۔ مگر وہ ایسے نازک حالات میں بھی اپنے باطنی یقین یا روحانی ایمان کو دل سے دور نہیں کرتا۔ بلکہ اس پر بدستور قائم رہتا ہے قرآن شریف نے میں دل کی اس ایمانی کیفیت کا الفاظ ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان - پ۱۴ - نحل ع۱۴

جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے۔ اور اس کا دل ایمان پر اطمینان رکھتا ہو تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔

تاریخ و سیرت کی کتابوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض اشخاص ایسے گذر چکے ہیں جو بہت بڑے مشکل وقت میں بھی اپنے دلی یقین اور ایمان کے علانیہ اظہار پر قائم رہے تھے۔ گو کہ اس یقین کی وجہ سے انہوں نے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں۔ لیکن اپنے عقیدہ اور یقین کو ترک نہیں کیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابی حضرت خبیب رض کو اقرار توحید کے جرم میں حارث بن عامر کی اولاد نے گرفتار کر کے درخت کے تنہ کے ساتھ مضبوط باندھ دیا۔ اور اس درخت کے چاروں طرف اس عاشق ربانی کی موت کا تماشا دیکھنے کے لئے مختلف قبائل عرب کے لوگ جمع ہو گئے۔ اور خبیب رض کو کفر کے اختیار کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ اور بصورت انکار ان کو جسمانی سزا اور موت کی دھمکی دی گئی۔ تو خبیب رض نے اس وقت چند فی البدیہہ اشعار کہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ
لوگوں نے مجھے کفر اور موت کے درمیان اختیار دیا ہے لیکن موت کفر سے کم درجہ کی چیز ہے

وقد هملت عینای من غیر مجزع
بے شک میری آنکھوں سے جزع و فزع کے بغیر لگاتار آنسو جاری ہیں

فلست بمبد للعدو تخشعا
مگر میں دشمن کے سامنے عاجزی ظاہر نہیں کروں گا

ولا جزعا انی الی اللہ مرجعی
اور نہ میں جزع فزع کروں گا بے شک میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

فواللہ ما ارجو اذا مت مسلما | علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی
بخدا جب میں اسلام کی حالت میں جان دوں گا | تو مجھے پروا نہیں کہ میں خدا کے راستہ میں کس پہلو پر گر کر جان دیتا ہوں!

خبیبؓ اپنے ایمان پر اخیر دم تک قائم رہے اور کفار عرب نے اُن کو سُولی پر چڑھا دیا۔ اور اُن کے نیزے لگائے اور اُن کے جسم مُبارک کو پارہ پارہ کر دیا؛

اَب غور طلب سوال یہ ہے۔ کہ خبیبؓ کے اندر کونسی ایسی قوت موجود تھی۔ جس کے اثر سے متاثر ہو کر انہوں نے عقل کے حکم کو نہ مانا۔ اور توحید باری کے اقرار پر اصرار کرتے ہوئے جان دے دی۔ یہ وہی حاسہ باطنی یا ضمیر روحانی یا نور ایمانی ہے۔ جس کو انگریزی زبان میں کانشنس کہتے ہیں۔ اس قوت کا درجہ عقل سے فائق ہے۔ اس قوت کے حکم کے سامنے نفس و عقل سب بیکار اور معطل ہوتی ہے۔ اور یہ قوت ہر شخص ہر فرقہ ہر قوم ہر طبقہ ہر درجہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے؛

صحیح کانشنس کی شناخت کا اصول

اگر شبہ پیدا ہو۔ کہ کانشنس ناقابل اعتبار چیز ہے۔ اس لئے کہ جو کانشنس خبیبؓ کو حارث کی اولاد کے ہاتھوں سے شہید ہونے پر آمادہ کر رہا تھا۔ اسی کانشنس نے حارث کی اولاد کو خبیبؓ کے قتل پر مستعد کیا تھا۔ اس طرح کانشنس دو متضاد جذبات اور خیالات کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی اس کے ناقابل اعتبار ہونے کی دلیل ہے؛

اس شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ کانشنس سے وہ قوت ممیزہ مُراد ہے۔ جو اپنی سادہ فطری حالت میں ہو۔ اور جس پر خارجی اسباب یا ان امور کا کچھ اثر نہ پڑا ہو۔ جو قوانین قدرت کے خلاف ہیں۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ کانشنس سلیم اور قابلِ اعتبار ہے۔ یا ناقص اور ناقابل اعتبار۔ ہمارے سامنے قوانین فطرت کی کتاب کھلی ہوئی ہے ان قوانین کی دیکھ بھال سے انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ کونسا کانشنس سلیم ہے۔ اور کونسا ناقص اور کونسا معتبر ہے یا غیر معتبر۔ اگر کانشنس کا جذبہ یا احساس قوانین قدرت کے مطابق ہے۔ تو وہ سلیم اور صحیح ہے۔ ورنہ ناقص اور ناقابلِ اعتبار؛

مولانا رومؒ کی رائے میں دل کے ہر خیال کو صحیح اور معتبر سمجھنا غلطی ہے اس لئے کہ دل میں ہر وقت مختلف قسم کے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں سے بعض باطل اور گمراہی کا موجب ہوتے ہیں۔ البتہ جس شخص کو قدرت نے قوتِ ممیزہ کی صحیح کسوٹی عطا کی ہے۔ اس کو یقین و شک اور حق و باطل اور نیک و بد میں تمیز کرنے میں کچھ دقت معلوم نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں :-

ہر زماں دل را دگر رائے بود	آں نہ از وے لیک از جائے بود
ہر وقت دل کی رائے نئی ہوتی ہے	اور وہ رائے دل سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ کسی اور جگہ سے آتی ہے
پس چرا ایمن شوی بر رائے دل	عہد بندی تا شوی آخر خجل
پس تم دل کی رائے پر کیوں اطمینان کرتے ہو	اس لئے بھروسہ کرتے ہو کہ آخر کار شرمندہ ہونا پڑے
نیست خود از مرغ پراں ایں عجب	کو نہ بیند دام و افتد در عطب
دل اُڑنے والا مرغ ہے۔ اس سے کچھ تعجب نہیں	کہ وہ جال کو نہ دیکھے اور ہلاکت میں پڑ جائے
ہر کرا در جاں خدا بنہد محک	مر یقین را باز داند او ز شک
البتہ جس شخص کی روح میں خدا کسوٹی رکھ دیتا ہے	وہ یقین اور شک میں فرق معلوم کر لیتا ہے
آنکہ گفت اِستَفْتِ قَلْبَكَ مصطفٰے[1]	آں کسے داند کہ پر بُود از وفا
رسولِ خدا نے فرمایا اپنے دل سے فتویٰ پوچھو	یہ اس شخص کی نسبت ہے جو وفا سے پُر ہو

حقیقت یہ ہے۔ کہ روشن اور صاف دل میں یہ حاسہ یا ملکہ قدرتی طور پر پایا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ حواس ظاہری اور عقل کلی کی وساطت کے بدون حق و باطل اور نیکی و بدی اور نفع و ضرر میں تمیز کر لیتا ہے۔ اور یہی ملکہ یا باطنی لطیفہ مذہب کی جان ہے جس کو قرآن شریف میں برہان ربانی اور خشیت الٰہی اور امام غزالی المنقذ کے شروع میں قبول ایمانی اور احیاء العلوم جلد اوّل میں نور بصیرت اور نور ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب ہم چوتھے سوال کا جواب دیتے ہیں کہ انسان کا فطری مذہب کونسا ہے؟

[1] احیاء العلوم جلد اول صد ۹ مطبوعہ مصر

فطری مذہب اور اس کی شناخت کے آٹھ معیار

یہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ مذہب کو ماننا انسان کا فطری تقاضا ہے۔ لیکن مذاہب عالم میں اتنا عظیم اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ اس اختلاف اور تضاد کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہب کو ماننا انسان کا فطری تقاضا نہیں۔ اس لئے کہ عقل سلیم متضاد اصولوں اور متناقض قاعدوں کے تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ باوجود باہمی اختلاف اور تناقض کے ہر اہلِ مذہب مدعی ہے کہ جس مذہب کا وہ پیرو ہے وہ الہامی اور فطری ہے۔ اور دوسرے مذہب جھوٹے اور باطل ہیں۔ پس ایسی صورت میں کوئی ایسا معیار ہونا چاہیئے۔ جس کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے۔ کہ مذاہب عالم میں سے انسان کا قدرتی اور فطری مذہب کونسا ہے ہم نے جہاں تک غور کیا ہے۔ مندرجہ ذیل آٹھ معیار ہیں۔ جن پر مذاہب کی تنقید کی جا سکتی ہے جو مذہب ان معیاروں پر پورا اترے وہی انسان کا فطری مذہب ہو سکتا ہے۔

پہلا معیار وہ مذہب خود مدعی ہو۔ کہ وہ فطرت انسانی کے مطابق ہے اور اس مذہب کے اصول اعظم کو ہر شخص اپنے فطری تقاضا سے صحیح ماننے کے لئے تیار ہو۔

دوسرا معیار۔ اس مذہب نے انسان کے ساتھ جنم لیا ہو اور وہ ہر حالت میں انسانی زندگی کا لازمہ حیات رہا ہو۔

تیسرا معیار۔ اس مذہب کے علمی اصول ایسے معقول اور فطرت انسانی کے مطابق ہوں کہ ان کے تسلیم کرنے سے عقل سلیم کو انکار نہ ہو۔ اور وہ انسانی زندگی کے لئے مادی اور روحانی طور پر مفید ہوں۔

چوتھا معیار۔ اس مذہب کے عملی اصول معقول اور فطرت انسانی کے مطابق ہوں اور ان پر عمل کرنے سے انسانی زندگی کو مادی اور روحانی فائدہ پہنچے۔

پانچواں معیار وہ مذہب علم کے خلاف نہ ہو بلکہ لوگوں کو علم کی تحصیل و ترقی کا شوق دلائے

چھٹا معیار۔ وہ مذہب عقل کے خلاف نہ ہو۔ اور ہر شخص کو عقل کے استعمال کرنے کا صحیح اور سلیم طریق پر آزادی کے ساتھ حکم دے۔

ساتواں معیار۔ وہ مذہب حقائق موجودات اور قوانین فطرت کے متعلق غور وفکر کرنے کی تعلیم دے۔ اور اس کی تعلیم قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو۔

آٹھواں معیار۔ وہ مذہب دنیا کے مذہبوں اور قوموں میں اتحاد و آشتی پیدا کرے۔

پس جو مذہب مذکورہ بالا آٹھ معیاروں پر پورا اترے اور جس میں یہ تمام خصوصیتیں پائی جائیں۔ وہی انسان کا فطری مذہب ہو سکتا ہے۔ اور وہ اسلام ہے۔ ہماری یہ رائے اسلام کے متعلق اس لئے نہیں کہ ہم مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے ہیں اور انہی میں نشوونما پایا ہے۔ بلکہ اگر عقل و انصاف کی شمع ہاتھ میں لے کر اور تعصب اور کینہ کی پٹی کو آنکھوں پر سے دور کرکے دیکھا جائے تو ہماری رائے قطعی طور صحیح ثابت ہوگی۔ لیکن اسلام سے مراد وہ اسلام ہے جس کی تعلیم قرآن شریف میں دی گئی ہے نہ کہ وہ جو بعض علماء اور عوام نے باطل تخیلات اور مذموم عقائد اور قبیح رسوم و عادات کا مجموعہ بنا رکھا ہے۔

ہم ذیل میں اسلام کی تعلیم کو مندرجہ بالا آٹھ معیاروں پر پرکھ کر ثابت کریں گے۔ کہ دعویٰ مذکور کسی مذہبی تعصب اور قومی طرفداری پر مبنی نہیں۔ بلکہ واقعی طور پر اسلام ہی انسان کا وہ فطری مذہب ہے۔ جس کے تمام افراد انسانی کو خواہ وہ کسی ملت و مذہب کے پابند ہوں۔ اور کسی قوم کے فرد ہوں۔ تصدیق کرنی چاہیئے۔

بعض قارئین اسلام کا نام سن کر نہ گھبرائیں۔ انہیں معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ کیا واقعی دنیا میں کوئی ایسا مذہب موجود ہے جس کے ماننے سے مذہبی بے جا اختلافات اور قومی و نوعی تنازعات اور ملکی جنگ و جدل اور باہمی بغض و عداوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور کیا وہ مذہب اسلام ہے یا نہیں۔

آج جبکہ سیاسی اور قومی اور ملی جنگ اقوام عالم میں بڑے زور سے جاری ہے اور مغلوب قومیں چاہتی ہیں کہ ایک ایسا نیا مذہب بنایا جائے جو تمام اقوام اور اہلِ مذاہب کا مشترک مذہب ہو۔ اور جس کے پاکیزہ اصولوں پر سب اہلِ مذاہب متفق ہو جائیں۔ اور باہمی جنگ وجدل ترک کردیں۔ اگر بالفرض وہ اس قسم کا کوئی مذہب بنا لیں۔ تو آخر کار وہ اس کا کوئی نہ کوئی نام رکھیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ مذہب پہلے سے موجود ہے اور اس کا نام اسلام ہے جس کے معنی امن اور سلامتی اور تسلیم کے ہیں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس مذہب کے ماننے والوں اور بعض عالموں نے اس نورانی اور مقدس مذہب کی شکل ایسی مسخ کردی ہے۔ جس کی وجہ سے اُسے عقل وفطرت کا دشمن اور خونریزی اور سفاکی کی تعلیم دینے والا مذہب سمجھا جاتا ہے لیکن یہ محض اس مذہب کے نادان دوستوں کا قصور ہے۔ ورنہ اس کی پاکیزہ اور مفید تعلیم جو قرآن شریف میں مذکور ہے اور جس کا عملی نمونہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔ سراسر عقل وصداقت سے پُر اور امن وسلامتی سے لبریز اور فطرتِ انسانی کے مطابق ہے؛

اب ہم اسلام کو مذکورہ بالا آٹھ معیاروں پر رکھ کر بتاتے ہیں کہ وہ واقعی انسان کی مادی اور روحانی زندگی کے لئے مفید اور کارآمد اور معقول مذہب ہے۔ اور یہی وہ مذہب ہے جس کو انسان کا پیدائشی مذہب کہہ سکتے ہیں؛

پہلا معیار

فطری مذہب کی شناخت کا یہ ہے :-

۱ - کہ وہ مذہب خود مدعی ہو کہ وہ فطرتِ انسانی کے مطابق ہے -

۲ - اور اس مذہب کے اصولِ اعظم کو ہر شخص اپنے فطری تقاضا سے صحیح ماننے کیلئے تیار ہو

اسلام اور فطرتِ انسانی

جب ہم اسلام کی نسبت غور کرتے ہیں - تو اس معیار کے دونو اجزاء اس میں موجود ثابت ہوتے ہیں - جزو اوّل کی نسبت اسلام کا بڑے زور سے دعویٰ ہے - کہ اس کی تعلیم فطرت انسانی کے مطابق ہے - قرآن مجید میں جو اسلام کی مکمل کتاب ہے - صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے - کہ اسلام انسان کا فطری اور پیدائشی مذہب ہے - فطری مذہب میں تین شرطوں کا پایا جانا نہایت ضروری ہے :-

۱ - وہ مذہب فطرتِ الٰہی کے مطابق ہونے کا مدعی ہو +

۲ - تغیر و تبدیل سے محفوظ ہو +

۳ - مذہبی اختلافات سے مبرا ہو +

قرآن شریف نے اِن صفات کے اعتبار سے اسلام کو فطرۃ اللہ - دین قیم - دین حنفی کے مختلف ناموں سے تعبیر کیا جو حقیقت میں ایک ہی مذہب کے جداگانہ حیثیتوں سے جدا جدا نام ہیں - مگر ان کی حقیقت ایک ہے - فرمایا

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ط پ - روم - ع -

باطل خیالات کو چھوڑ کر خاص طور پر مذہب کی طرف منہ کرو - رہبت مذہب وہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے - اور خدا کی بنائی ہوئی چیز میں ردو بدل نہیں ہوتا -

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ما من مولود یولد علی الفطرۃ ثم یقول اقرأ وا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم۔ صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۳۶۔

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس آیت کو پڑھو۔ کہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور خدا کی بنائی ہوئی چیز میں رد و بدل نہیں ہوتا اور یہی راست مذہب ہے

شارح نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والاصح ان معناہ ان کل مولود یولد متہیاء للاسلام شرح نووی جلد دوم صفحہ ۳۳۶

کہ حدیث مذکور کے صحیح ترین معنی یہ ہیں۔ کہ ہر بچہ قبول اسلام کے لئے تیار پیدا کیا جاتا ہے

امام غزالیؒ نے حدیث مذکور میں فطرت سے اسلام مراد لیا ہے۔ ہم امام صاحبؒ کی تعریف تہیا ...... کا ترجمہ مذہب اور فطرت انسانی کی چوتھی دلیل میں اوپر لکھ چکے ہیں آیت مذکور میں بتایا گیا کہ اسلام انسان کا فطری مذہب ہے۔ اور وہی دین قیم ہے۔ جس پر ہر شخص کی پیدائش ہوتی ہے۔ پس آیت قرآنی اور حدیث نبوی اور اقوال نووی و غزالی مذکورہ بالا پڑھنے کے بعد صریح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلام نے انسان کے فطری مذہب ہونے کا بڑے صاف الفاظ میں دعوےٰ کیا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا سے زیادہ صاف اور واضح کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ یہی فطرت اس اعتبار سے کہ وہ تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ دین قیم کہلاتا ہے۔ قیمؔ قائم و دائم چیز کو کہتے ہیں حسن نے دینِ قیم کی یہ تعریف کی ہے کہ اَلَّذِی لَا یُبَدَّلُ وَلَا یُغَیَّرُ کہ جس میں تغیر و تبدل نہ ہو[1]۔

جو چیز قائم و دائم ہو وہ فطری ہوتی ہے اور بے جا اختلافات سے پاک بلکہ مشترک صداقت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ یہ صفت اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے قرآن

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۴۔ صفحہ ۴۲۹۔

نے اس کا نام دین حنیفی رکھا۔ دین حنیفی پر مستقل مضمون آگے چل کر مذکور ہے۔

جزو دوم معیار اوّل کا یہ ہے۔ کہ اس مذہب کے اصولِ اعظم کو ہر شخص اپنے فطری تقاضا سے صحیح ماننے کے لئے تیار ہو۔ یہ خصوصیت بھی اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ توحید باری کا اعتراف اسلام کا اصول اعظم ہے۔ اور ہر شخص اس اصول کو فطری طور پر صحیح ماننے کے لئے تیار ہے۔ اس امر کا ثبوت کہ توحید اسلام کا اصول اعظم ہے۔ یہ ہے۔

کہ اصول منطق کے رُو سے ہر شئے دو چیز سے مرکب ہے۔ ذاتیات اور عوارض۔ جب ہم کسی شئے کی تعریف اس کے ذاتیات سے بیان کریں تو اُسے حد کہتے ہیں۔ اگر اس کے عوارض سے اس کی تعریف کی جائے تو وہ رسم کہلاتی ہے۔ عوارض کے حذف کرنے سے اصل شئے کی تعریف قائم رہتی ہے۔ لیکن ذاتیات کے حذف ہونے سے وہ تعریف قائم نہیں رہتی۔ مثلاً اسلام کی تعریف کی جاتی ہے۔ کہ وہ مختلف اصول و مسائل کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر ان اصول و مسائل کو حذف کرتے جائیں یا ان کی تحلیل کرتے جائیں اور توحید کا اصول باقی رہ جائے تو اسلام باقی رہتا ہے۔ لیکن جب توحید باری کے اقرار کو حذف کر دیا جائے تو منکر توحید پر اسلام کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ پس توحید باری کا اقرار ہی وہ شئے جس پر اسلام کی ساری عمارت اور نظام کا انحصار ہے۔ اور اسی سے اس کی حد بیان کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں اسلام اور توحید باری کے اقرار یا خدا کی واحد پرستش کو مترادف اور متحد معنی میں استعمال کیا گیا اور بتایا کہ واحد خدا کی پرستش ہی راست مذہب ہے فرمایا۔

لا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم پ۱۲ سورۂ یوسف ع۵

خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو۔ یہی سیدھا مذہب ہے۔

نوٹ۔ ہم اس موضوع پر کہ توحید کا اقرار نہ صرف اسلام کا اصول اعظم ہے بلکہ وہ عین اسلام ہے اور اسلام عین توحید ہے اور توحید عین فطرت ہے اسلئے اسلام عین فطرت ہے اسی جلد میں آگے چل کر مستقل مضمون لکھیں گے نیز اس دعویٰ کو کہ توحید کا اقرار ہر انسان کا فطری فرض ہے توحید اور فطرت کے عنوان میں پانچ عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کرینگے۔

دوسرا معیار

فطری مذہب کی شناخت کا یہ ہے کہ اس مذہب نے انسان کے ساتھ جنم لیا ہو۔ اور وہ ہر حالت میں انسانی زندگی کا لازمۂ حیات رہا ہو۔

اسلام اور انسانی زندگی کے چار دور

چونکہ اسلام فطرت انسانی کا صحیح تقاضا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے وہ کسی حالت میں انسان سے اور انسان اس سے علیحدہ نہیں ہوا۔ انسانی زندگی چار زمانوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یہ چاروں زمانے انسانی زندگی کے چار دور ہیں اور ہر دور میں اسلام انسانی زندگی کا لازمۂ حیات رہا ہے۔

پہلا دور وہ ہے جبکہ انسان تمدنی تعلقات سے بالکل بے خبر تھا اور اپنے نوعی بھائیوں کے حقوق و فرائض سے اس کو کچھ تعلق نہ تھا۔ اور وہ تن تنہا کسی جنگل میں یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر اقامت گزین ہو کر زندگی بسر کرتا تھا۔ اور کسی مذہب و ملت اور رسول وہادی کے نام سے آشنا نہ تھا۔ اس دور میں اس کا قدرتی مذہب اسلام تھا۔ مگر اس صورت میں اس مذہب کو **فطری اسلام** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دوسرا دور وہ ہے جب انسان نے تمدن کے محدود دائرے میں قدم رکھا۔ لیکن کامل ترین تمدن اور تہذیب کے درجہ تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔ اس حالت میں بھی اسلام اس کا فطری مذہب تھا اصطلاح میں اس مذہب کو **عقلی اسلام** یا عقلی شریعت یا سادہ اسلام کہتے ہیں۔

تیسرا دور وہ ہے جب انبیاء کی بعثت و رسالت کا سلسلہ قائم ہوا۔ اور انسانی زندگی کا سادہ الہامی اصولوں کے علم و عمل پر مدار رہا۔ اس دور کے مذہب کو الہامی اسلام کہتے ہیں

چوتھا دَور وہ ہے۔ جب انسان نے ذاتی، منزلی، اخلاقی، تمدنی، روحانی، ضروریات کے لحاظ سے درجۂ کمال تک رسائی حاصل کرنے کی پوری خواہش ظاہر کی۔ اس حالت میں بھی اس کا قدرتی مذہب اسلام تھا اور اس کو **مکمل اسلام** کہتے ہیں ‪+‬

چونکہ دوسرا اور تیسرا دَور حقیقت میں ایک ہی دَور کے دو حصے ہیں۔ اس لئے اس طرح انسانی زندگی کی بڑی تقسیم تین دوروں میں اور افراد انسانی کی تقسیم تین قسموں میں ہوسکتی ہے۔ کامل، متوسط، ادنےٰ +

اگر کسی انسان کے تمام طبعی جذبات عقل سلیم کے تقاضا کے مطابق ظہور میں آئیں اور ان جذبات کی عملی صورت ہر طرح سے معقول اور مکمل ہو۔ تو ایسا شخص کامل انسان کہلاتا ہے۔ اس سے نیچے درجہ پر وہ شخص ہے۔ جو جذبات انسانی کو متوسط طریق پر عمل میں لاتا ہے اور سب سے نیچے اس شخص کی زندگی ہے۔ جس سے طبعی جذبات سادہ طور پر ظہور میں آتے ہیں۔ اور اس کی لوح زندگی پر عقل سلیم نے بہت کم زرنگاری کی ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ جس طرح پر افراد انسانی ادنےٰ، متوسط، مکمل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذہب اسلام کی بھی تین حالتیں ہیں۔ فطری۔ عقلی۔ مکمل۔ اور جیسا کہ انسان انسانیت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ایسا ہی وہ کسی حالت میں اسلام اور اس کے اصول کو ترک نہیں کرسکتا۔ صرف نقص و تکمیل کے درجات میں تفاوت ہے +

اب ہم ذیل میں فطری اسلام۔ عقلی اسلام۔ الہامی اسلام۔ مکمل اسلام کی تفصیل بیان کرتے ہیں +

فطری اسلام اور انسانی زندگی کا پہلا دور

عوام تو درکنار مشہور اہلِ علم اور اہلِ قلم بھی اس غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کہ اسلام کا آغاز تیرہ سو برس سے ہوا ہے۔ اس لئے وہ انسان کا فطری مذہب نہیں ہوسکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان کی پیدائش بہت پرانی ہے تو جو مذہب تیرہ سو برس سے جاری ہو وہ اس کا فطری اور قدرتی مذہب کیسے ہوسکتا ہے یہ غلطی اسلام کی ماہیت سے ناواقف ہونے کے باعث پیدا ہوتی ہے؎

حقیقت یہ ہے کہ اسلام انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے۔ جب سے انسان ہے اسی وقت سے اسلام ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی مذہب کی تعلیم نہ دی جائے تو اسوقت اس کا جو مذہب ہوگا وہ اسلام ہے۔ اور اس زمانہ میں جبکہ انسان کسی رسول کی رسالت اور نبی کی نبوت سے بے خبر تھا۔ بلکہ ابھی دنیا میں انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ہی قائم نہیں ہوا تھا۔ اور انسانی زندگی پیچیدہ دنیاوی تعلقات سے بالکل خالی تھی۔ اور اسے تمدنی اصولوں کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے لئے صرف قدرت کے مناظر اور فطرت کے مظاہر کو دیکھ کر خدا کی واحد اور کامل ہستی کا اعتراف کرنا ضروری تھا۔ تو اس وقت بھی اسلام ہی انسان کا قدرتی اور فطری مذہب تھا۔ اسلام کے فطری مذہب ہونے کی سب سے بڑی قوی دلیل یہ ہے کہ اس مذہب کا سب سے بڑا اصول توحید باری کا اعتراف ہے اور توحید کو ماننا انسان کا فطری خاصہ ہے اس لئے اسلام کو ماننا بھی انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اس دلیل کی منطقی ترتیب یہ ہے؎

۱۔ توحید باری کا اعتراف انسان کا فطری خاصہ ہے؎

۲۔ اسلام توحید باری کے اعتراف کا نام ہے؎

نتیجہ۔ اسلام کا اعتراف انسان کا فطری خاصہ ہے؎

ہم اقرار توحید کے فطری خاصہ ہونے پر مستقل مضمون ذیل میں لکھتے ہیں۔ جس سے دلیل مذکور کا پہلا اور دوسرا مقدمہ ثابت ہوگا۔

توحید اور فطرت

نزول قرآن سے پہلے اسلام کی تعریف میں مختلف شرائط اور قیود ازاد کئے گئے تھے۔ اس کی صحیح اور اصلی تعریف معلوم نہ تھی۔ جس سے وہ دہریت والحاد کے باطل مذاہب سے متمیز کیا جا سکے۔ قرآن شریف نے نہ صرف اس عقدہ کو حل کیا بلکہ یہ بھی بتایا۔ کہ اسلام جو انسان کا پیدائشی مذہب ہے اس کا اصول اعظم توحید باری کا اعتراف ہے اور توحید ہی اسلام کی روح و روان ہے۔ اور توحید کا اعتراف انسان کا فطری خاصہ ہے۔ قرآن حکیم نے اصول توحید کو لوگوں کے سامنے اس طرح بیان کیا۔ کہ توحید اور اسلام مترادف المعنی سمجھے گئے اور توحید باری کو ماننا انسانی فطرت کا صحیح تقاضا قرار پایا۔

ہم ذیل میں چند دلائل بیان کرتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوگا۔ کہ توحید کو ماننا انسانی فطرت کا صحیح تقاضا ہے اور اس سے دلیل مذکور کا پہلا مقدمہ درست ثابت ہوگا۔

پہلی دلیل انسان ایک ذی عقل ہستی ہے۔ اس کی طبیعت میں قدرتی طور پر یہ استعداد موجود ہے کہ وہ چند اشیاء کو ترتیب میں دیکھ کر دل ہی میں سوچنے لگتا ہے۔ کہ ان چیزوں کو کس نے مرتب کیا۔ اور اگر وہ ترتیب نہایت معقول اور مکمل ہو تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان کو ترتیب دینے والا نہایت اعلےٰ اور مکمل صفات سے متصف ہے۔ اسی طرح جب وہ موجودات عالم کی عمدہ اور مکمل ترتیب دیکھتا ہے۔ تو وہ اعتراف کرتا ہے کہ اسے کسی مکمل ہستی نے ترتیب دیا ہے۔ اور وہی ہستی اس دُنیا کی کامل علت ہے اور اسی علت العلل کو مذہب کی اصطلاح میں خدا یا اللہ کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی جنگل میں یا بلند پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہو۔ جہاں اس کے کانوں تک

کسی رسول یا نبی کی رسالت و نبوت کی آواز تک نہ پہنچے۔ اور وہ دُنیا کے مذاہب کی تعلیم سے ناآشنا رہے۔ تب بھی اس کو عالم کائنات کے عجائبات اور موجودات کی حکیمانہ ترتیب و ساخت کو دیکھ کر دل ہی میں خدا کی واحد ہستی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور اُس وقت اس کا جو مذہب ہوگا۔ وہ اسلام ہے*

خدا کو واحد جاننا انسان کا فطری خاصہ ہے۔ اس لئے قرآن شریف نے توحید باری کے اثبات پر فطری دلائل بیان کئے۔ قرآن حکیم میں خدا کی ہستی کو واحد اور موجود ثابت کرنے کے لئے عقلی۔ خطابی۔ فطری دلائل استعمال کئے گئے ہیں۔ شروع زمانہ میں انسان نے مناظر قدرت دیکھ کر خدا کو موجود اور واحد مانا تھا۔ اس طریق استدلال کو فطری اور خطابی کہتے ہیں۔ قرآن شریف کے متعدد مقامات میں توحید باری کے متعلق ابتدائی زمانہ کے اس فطری استدلال کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ○ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ پارہ ۲۴۔ مومن۔ ع ۷

خدا وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات آرام کرنے کے لئے بنائی اور دن کو روشن کیا۔ بیشک خدا لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ ناشکر گذار ہیں۔ یہی خدا تمہارا پروردگار

ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں پھر تم کہاں بہک رہے ہو۔ اسی طرح وہ لوگ بہک رہے تھے جو خدا کی آیات سے منکر تھے۔ خدا نے تمہارے لئے زمین کو جائے قرار اور آسمان کو چھت بنایا۔ اور تم کو صورتیں عنایت کیں۔ اور وہ صورتیں بھی نہایت عمدہ بنائیں۔ اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو عنایت کیں۔ یہی خدا تمہارا پروردگار ہے۔ پس خدا رب العلمین بہت ہی برکت والا ہے۔ وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں عبادت کے لئے خاص کر کے اسی کو پکارو۔ ہر تعریف خدا ہی کو ہے۔ جو رب العلمین ہے کہدو کہ مجھے اس امر سے منع کیا گیا ہے۔ کہ میں خدا کے سوا کسی اور چیز کی جس کو تم پکارتے ہو۔ عبادت کروں۔ جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی جانب سے ظاہر دلائل آچکے ہیں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں رب العلمین پر اسلام لاؤں۔

قرآن مجید کی اکثر آیتوں میں قدرت کے مناظر اور فطرت کے تغیرات اور موجودات عالم کی نیرنگیوں اور ربط و انتظام کو ایسی فصاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جسے پڑھ کر بیساختہ انسان کا دل توحید باری کا اقرار کرنے لگتا ہے اور ان آیتوں میں صریح طور پر توحید کے اقرار کو اسلام کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

علم اصول اور علم کلام کی کتابوں میں اس مسئلہ پر بڑے بسط و تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ کہ جو شخص کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے کان تک کسی رسول اور نبی کی آواز تک نہیں پہنچی۔ قدرت نے صرف عقل کا ہادی اور وجدان سلیم کا رسول اسے عنایت کیا ہے۔ کیا ایسا شخص مسلم تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ قول فیصل یہ ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن محمدی مسلمان نہیں۔ اس لئے کہ توحید باری کا اقرار اس کا فطری فرض تھا۔ اور عجائبات عالم کو دیکھ کر وہ خود بخود خدا کی واحد اور مکمل ہستی کا اقرار کرنے کے لئے مکلف تھا۔ چونکہ توحید اسلام کا رکن اعظم ہے۔ اس لئے شخص مذکور توحید کے اقرار و انکار کی نسبت جوابدہ ہو گا۔ کسی رسول کی رسالت کا اقرار اس وقت ضروری ہے جب اس کی خبر اور دعوت مل گئی ہو۔ قرآن شریف میں مذکور ہے

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا - پارہ ۱۵ - بنی اسرائیل ع -

ہم سزا نہیں دیتے جب تک کہ رسول نہیں بھیجتے ؛

اس شخص کے نجات یافتہ ہونے کی نسبت جسے کسی رسول کی رسالت کا علم نہیں ہوا - لیکن وہ توحید کا قائل ہے - علماء اسلام میں بڑا اختلاف ہے - قول فیصل یہ ہے - کہ وہ مسلم ہے - امام غزالی رح کی بھی یہی رائے ہے سیوطی لکھتے ہیں

ثم اختلف عبارۃ الاصحاب فی من لم تبلغہ الدعوۃ فاحسنہا من قال انہ ناج وایاہا اختارہا السبکی ومنہم من قال علی الفطرۃ ومنہم من قال مسلم وقال الغزالی التحقیق ان یقال فی معنی المسلم۔ السبل الجلیہ ص۳۔

اس شخص کے مسلمان ہونے کی نسبت جس کو کسی رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو اہل علم کی رائے مختلف ہے - بہترین رائے یہ ہے کہ وہ نجات پائے گا - سبکی نے اسی رائے کو پسند کیا ہے - بعض کہتے ہیں کہ وہ شخص اپنی فطری حالت پر ہے - بعض کی رائے ہے کہ وہ مسلم ہے غزالی کہتے ہیں کہ تحقیق یہی ہے - کہ اسے مسلم کہنا چاہیے +

توضیح میں مذکور ہے :-

کہ معتزلہ کے نزدیک مذہب عقل کو مخاطب کرتا ہے - اس لئے عقلمند لڑکا اور پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا شخص دونوں خدا کو واحد ماننے کے لئے مکلف ہیں - اگر یہ دونوں عقل سے کام نہ لیں اور کچھ بھی اعتقاد نہ رکھیں - تو ان پر مواخذہ ہوگا[1] +

تلویح میں لکھا ہے - کہ خدا کو نہ ماننے کے متعلق کسی شخص کا عذر قابل سماعت نہیں امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں :-

لا عذر لاحد فی الجہل بخالقہ بما یری من الافاق والانفس فی الشرائع

(تلویح صفحہ ۴۷۳)

مذاہب میں کسی شخص کو خالق سے ناواقف رہنے کے متعلق معذور نہیں سمجھا جا سکتا - اس لئے کہ عالم صغیر و کبیر میں قدرت ایزدی کے نشانات دیکھے جاتے ہیں ؛

---

[1] توضیح صفحہ ۴۷۲ نولکشور +

دوسری دلیل | اقرار توحید کے فطرت انسانی میں داخل ہونے پر یہ ہے۔ کہ موجودہ زمانہ میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو خدا کی ہستی کا اعتراف کرتے ہیں بعض خدا کی ذات وصفات کا بدون کسی خارجی محرک اور مجسمہ کے تصور کر کے توحید باری کے قائل ہیں۔ اور بعض بتوں اور تصویروں اور مورتوں کو سامنے رکھ کر خدا کی یاد کرتے ہیں یہ بت پرستی کہلاتی ہے۔ لیکن اکثر بت پرست بتوں کو خدا نہیں سمجھتے؛

کافراں سجدہ کہ بر روئے بتاں میکردند همه رُو سوئے تو بُود و همه سُو روئے تو بود

بت پرستی انسان کا پہلا عقیدہ نہیں۔ شروع زمانہ میں انسان نے عجائبات عالم کو دیکھ کر خالص خدا کا خیال کیا۔ رفتہ رفتہ اس خیال کو پختہ کرنے کے لئے بت تراش لیئے۔ جیسا کہ بعض مقتدر لوگوں کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ان کے مجسمے اور مورتیں بنانے کا دستور چلا آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان مقتدر لوگوں کا وجود اور ان کی عظمت کا خیال پہلے موجود تھا۔ اور مجسمہ بنانے کا خیال بعد میں پیدا ہوا۔ اسی طرح شروع زمانہ میں انسان نے عجائبات قدرت کا خیال کر کے خدا کی واحد ہستی کا اعتراف کیا۔ اور بعد میں اس خیال یا اقرار کو پختہ یا تازہ کرنے کیلئے بت تراش لئے۔ مگر بعض ناواقف اشخاص ان بتوں ہی میں خدائی کرشمے ماننے لگ پڑے۔ ایسے لوگوں کا عقیدہ حد اعتدال سے متجاوز ہے۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ خدا کی واحد ہستی کا خالص اقرار انسان کا سب سے پہلا سادہ اور قدرتی خیال ہے جسے اس کی فطرت کا صحیح جذبہ یا اس کے مذہب فطری کا سب سے بڑا اصول کہنا چاہیئے۔

تیسری دلیل | عرب کی سرزمین میں اگرچہ یہودی۔ عیسائی۔ مجوسی۔ صابی۔ دہریہ اور مختلف مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ لیکن وہاں بت پرستی کا عام چرچا تھا۔ اور جب موسیٰ اور مسیح علیہما السلام کی تعلیم کے مبارک نشانات عرب کے ملک سے ناپید

ہو چکے تھے۔ اور خالص توحید کا خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو گیا تھا اور ابراہیمی دین کے اصول مٹ چکے تھے اور رسولِ خدا بھی مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ تو اس عہد کو فترت کا زمانہ کہتے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ زمانہ فترت میں ایسے چند اشخاص پیدا ہوئے تھے۔ جو اپنے فطری تقاضا سے توحید باری کے قائل تھے۔ اور انہوں نے توحید کے متعلق کسی رسول یا نبی کی ہدایت سے استفادہ نہیں کیا تھا۔

ان لوگوں میں سے ایک شخص امیہ بن ابی صلت طائف کا رئیس اور شاعر تھا جو خدا کی واحد ہستی کا معترف تھا۔

اُمیہ رسولِ خدا صلعم کی بعثت سے پہلے خدا کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے

رجل وثور تحت رجل یمینہ　　　والنسر للاخریٰ ولیث مرصد

آدمی اور بیل اور گرس اور شیر غرآں　　　سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں

رسولِ خدا صلعم نے یہ شعر سن کر فرمایا۔ اُمیہ نے سچ کہا[1]

صحابہ میں سے ابوبکر صدیق رض اور ابوذر غفاری رض موحد تھے۔ اور رسولِ خدا کی بعثت سے پہلے خدا کو واحد مانتے تھے۔

آنحضرت صلعم کے ماں باپ بھی توحید باری کے قائل تھے۔ مگر حضور کے مدعی رسالت ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اکثر علماء اسلام کا ان کے نجات یافتہ ہونے پر اتفاق ہے۔

جلال الدین سیوطی رح نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام السبل الجلیہ فے الآباء العلیہ ہے وہ اس رسالہ میں لکھتے ہیں:۔

کہ رسولِ خدا صلعم کے آباو اجداد کے نجات یافتہ ہونے کی نسبت اختلاف ہے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۵

(واخترت اقوال القائلین بالنجاۃ) لیکن میں ان ائمہ کے اقوال کو پسند کرتا ہوں جو ان کے ناجی ہونے کو تسلیم کرتے ہیں[1]

زید بن عمرو بن نفیل۔ قس بن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت کے مشہور توحید پرست تھے سیوطی رسالہ مذکور کے چوتھے سبیل میں لکھتے ہیں:۔

انھما کانا علی الحنیفیۃ دین ابراھیم کما کان زید بن عمرو بن نفیل واضرابہ فی الجاھلیۃ وقد عقد ابن الجوزی فی التلقیح بابا لتسمیۃ من رفض عبادۃ الاصنام فی الجاھلیۃ فاورد فیہ جماعۃ منھم زید المذکور وقس بن ساعدۃ وورقۃ بن نوفل وابوبکر الصدیق وغیرھم (السبل الجلیۃ صفحہ)

کہ آنحضرت کے ماں باپ ابراہیمی مذہب پر تھے۔ جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ زمانہ جاہلیت میں اس مذہب پر تھے۔ ابن جوزی نے تلقیح میں ایک باب باندھا ہے جس میں ان لوگوں کے نام لکھے ہیں۔ جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں بت پرستی ترک کر دی تھی۔ زید مذکور اور قس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل اور ابوبکر صدیق وغیرہ ان ہی لوگوں میں سے تھے۔

قس بن ساعدہ توحید کے علاوہ جزا و سزا کا بھی معترف تھا۔

باقلانی لکھتے ہیں:۔

انہ اول من آمن بالبعث من اھل الجاھلیۃ کہ وہ اہلِ جاہلیت میں پہلا شخص ہے جو بعث بعد الموت کا قائل تھا[2]

زیدؓ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اُن کی توحید پرستی کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کے والد خطاب ان کے سخت مخالف بن گئے تھے۔ اور لوگوں نے بھی ان کی بڑی مخالفت کی تھی۔ زید نے آخرکار مجبور ہو کر مکہ کی رہائش ترک کر دی اور حرا میں اقامت اختیار کر لی۔

زید نے زمانہ فترت میں خدا کی توحید کے متعلق بہت سے اشعار کہے تھے جنمیں سے بعض یہ ہیں:

[1] السبل الجلیہ صفحہ ۱۱ (مطبوعہ لاہور) [2] اعجاز القرآن برحاشیہ اتقان جلد اول صفحہ ۲۰۱۔

وانت ربّ مليك الناس طرّاً	بكفيك المنايا والحتوم
تو پروردگار سب لوگوں کا بادشاہ ہے	تیرے اختیار میں موتیں ہیں
اربًّا واحدًا ام الف ربٍّ	ادين اذا تقسمت الامور
میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو	جب کاموں کی تقسیم ہو
تركت اللات والعزّى جميعًا	كذلك يفعل الرجل البصير
میں نے لات وعزیٰ سب کو ترک کر دیا	دانا آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے

واسلمت وجهي لمن اسلمت	له الارض تحمل صخرًا ثقالًا
میں اس خدا کا مطیع ہوں جس کی وہ زمین مطیع ہے	جو بڑے بھاری پتھروں کو اٹھائے ہوئی ہے
واسلمت وجهي لمن اسلمت	له المزن تحمل عذبًا زلالًا
میں اس خدا کا فرمانبردار ہوں جس کے وہ بادل مطیع ہیں	جو شیریں اور خوشگوار پانی اٹھائے ہوئے ہیں

مؤخر الذکر اشعار کے مضمون کو مولانا رومؒ نے مثنوی کے دفتر سوم میں اس طرح ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

مومن و ترسا جهود و نیک و بد	جملگاں را هست روسوئے احد
مومن آتش پرست یہودی اور نیک و بد اشخاص	غرض تمام کا منہ خدائے یگانہ کی طرف ہے
بلکہ سنگ و خاک و کوه و آب را	هست واگشت نہانی با خدا
بلکہ پتھر اور مٹی اور پہاڑ اور پانی کو بھی	پوشیدہ طور پر خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے

غرض یہ ہے کہ زمانہ فترت کے اشعار مذکور کو جن میں توحید باری کا صریح اقرار موجود ہے پڑھ کر ماننا پڑتا ہے۔ کہ خدا کی واحد ہستی کا اعتراف انسان کی فطرت کا لازمی خاصہ ہے۔ ورنہ یہ لوگ جو کسی ظاہری مذہب وملت کے پابند نہ تھے۔ توحید باری کے راگ کیوں گاتے اور خدا کی توحید اور تعریف میں اس قسم کے اشعار ان کی زبان سے

لہ تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۵۴۔

کیوں نکلتے۔ اور حضرت زید ترک مسکن کی تکلیف کیوں گوارا فرماتے۔

بخاری کی روایت کردہ حاشیوں اور علماء کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اہلِ عرب عمرو بن عامر خزاعی کے عہد تک توحید پرست تھے۔ اور بُت پرستی سے متنفر تھے۔ عمرو بن عامر مذکور کا عرف عمرو بن لحی تھا۔ اور یہ عرب میں پہلا شخص ہے جس نے بُت پرستی کی ابتدا کی۔

سہیلی روض الانف میں لکھتے ہیں:۔

کہ "جب خزاعہ نے کعبہ پر غلبہ پایا۔ تو اس نے جرہم کو مکہ سے نکال دیا۔ پھر اہلِ عرب نے عمرو خزاعی کو اپنا رب بنا لیا اور یہ جو بدعت ایجاد کرتا تھا اہلِ عرب اسے شریعت بنا لیتے تھے عمرو مذکور رسول خدا کے جدِ اعلیٰ کنانہ کا ہمعصر تھا۔ اس سے بہت پہلے عدنان معد ربیعہ مضر عرب میں اسلام لا چکے تھے۔ اور توحید کے قائل تھے[۲]۔

چوتھی دلیل ابراہیم علیہ السلام نے رسول ہونے سے پہلے اپنی عقل و فطرت کے تقاضا سے توحید باری کا اقرار کیا اور اپنی قوم اور باپ کی بُت پرستی پر اظہار نفرت فرمایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید باری کا اقرار انسان کا فطری تقاضا ہے اور وحی والہام کی مدد کے بغیر انسان عقل کے ذریعے سے خدا کو واحد تسلیم کر سکتا ہے۔

حکیم سنائی فرماتے ہیں۔ کہ خدا اصل ہے اور عقل اس کا سایہ ہے اور سایہ اصل سے جدا نہیں ہوتا۔

سایہ باذات آشنا باشد ۔۔۔۔ سایہ از ذات کے جدا باشد[۲]

اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے:۔

وتمسکوا فی ذٰلک بقصۃ ابراھیم حیث قال لابیہ انی اراک وقومک فی ضلال مبین ط کان ھذا القول بالعقل قبل الوحی لانہ قال اراک ولم

[۱] السبل الجلیہ صفحہ ۵۲ [۲] حدیقہ صفحہ ۳۳۵ نولکشور

(حاشیہ: عرب ... بت ... کا ...)

(حاشیہ: ابراہیم ... توحید ... سے ثابت)

یقل اوحی الیّ - نور الانوار صفحہ ۲۸۰

علمائے اصول نے عقل کے حجت ہونے کے متعلق حضرت ابراہیم کے قصہ سے استدلال کیا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا۔ کہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں ان کا یہ کہنا نزول وحی سے پہلے انہی عقل کی بنا پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کہا میں دیکھتا ہوں۔ اور یہ نہیں کہا۔ کہ میری طرف خدا نے وحی کی ہے؛

پانچویں دلیل خدا نے ہر ایک قوم اور امت میں رسول پیدا کئے اور وہ سب توحید باری کی تعلیم دیتے رہے اور تمام انبیاء کی بعثت کا مقصود اصلی ناواقف لوگوں کو توحید باری کا سبق سکھلانا تھا اور توحید انبیاء کی مشترک تعلیم تھی؛

قرآن شریف میں مذکور ہے کہ تمام انبیاء سابقین واحد خدا کی پرستش کی تعلیم کو لوگوں میں شائع کرنے کے لئے پیدا ہوئے تھے فرمایا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

پ۱۷۔ سورہ انبیاء۔ ع۲

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو۔ کہ بیشک وہ خدا ایک ہے اور تم اس کی عبادت کرو؛

توحید انبیاء مشترک تعلیم تھی

توحید باری کے اصول کی اشاعت سب انبیاء کو مدنظر تھی۔ اور یہ اشتراک اس امر کی دلیل ہے کہ توحید کو ماننا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لئے کہ جو صفت یا خاصہ مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا وغیرہ تمام افراد انسانی میں بالاشتراک پایا جائے وہ فطری ہوتا ہے۔ پس توحید کا اقرار بھی تمام مذاہب اور اشخاص اور اقوام میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ بھی انسان کا فطری خاصہ ہے۔ تمام پیغمبر اور ہادی توحید باری کی تعلیم دیتے رہے اور سب انبیاء اسی اصول اعظم کی اشاعت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور کبھی کسی پیغمبر یا ہادی نے اس اصول کے متعلق اختلاف نہیں کیا۔ فرمایا:۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ

بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ

اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ پ۱۲ یوسف ع

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ پ۲۴ ۔ سورۂ زمر ع ۷ ۔

یوسف نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب کی پیروی کی ہے۔ پس ہمکو زیبا نہیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک بنائیں۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے۔ مگر اکثر لوگ اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ میرے قید خانہ کے رفیقو! کیا متفرق خدا اچھے ہیں۔ یا واحد اور غالب خدا۔ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو۔ وہ صرف نام ہیں۔ جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ چھوڑے ہیں۔ خدا نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں کی اور خدا کے سوا اور کسی کا حکم مقرر نہیں۔ اس نے حکم کیا ہے کہ صرف خدا ہی کی عبادت کرو یہی سیدھا مذہب ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اے پیغمبر تمہاری طرف اور تم سے پہلے انبیاء کی طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا سے کسی کو شریک کیا تو تمہارے عمل تباہ ہو جائیں گے اور تم خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤ گے۔

مذکورہ بالا آیتوں سے ظاہر ہے کہ اسلام شرک سے انکار اور توحید باری کے اقرار کا نام ہے اور توحید کے ماننے والے کو نجات کی بشارت دی گئی ہے۔ اس حقیقت مسئلہ کی بنا پر علم کلام کا یہ مسئلہ ہے۔ کہ موحد یعنی قائل توحید مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ یعنی اسکو دوامی سزا نہیں ملے گی بلکہ بعض علماء اسلام کے نزدیک ایسا شخص جس نے توحید باری کی ماہیت دریافت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ قاصر رہا قابل مواخذہ نہیں ہے۔

جاحظ اور عنبری کی رائے کے مطابق وہ شخص جس نے توحید کو معلوم کرنے کی کوشش

کی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوا۔ معذور ہے۔ اور یہ حکیم مطلق کی حکمت کے شایاں نہیں
کہ وہ اس کو باوجود اس کے کوشش صرف کرنے کے کسی جرم و قصور کے بغیر سزا دے۔
اس لئے کہ قرآن شریف میں مذکور ہے:۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرج ولیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج
حرج ولا علی المریض حرج۔ کہ تم پر خدا نے دین کے متعلق کوئی تنگی نہیں کی۔ اور نہ
لنگڑے اور بیمار پر کسی قسم کی تنگی یا گرفت ہے۔

اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ ان معذور اشخاص کے مقابل میں متحیر شخص کا عذر زیادہ تر قابل پذیرائی ہے[1]

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ہر شخص کے دل میں توحید باری کے اقرار
کی استعداد فطری طور پر ودیعت رکھی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اشخاص جو دنیا میں انبیائ
عظام کے سلسلۂ ہدایت جاری ہونے سے پہلے گذر چکے ہیں۔ وہ بھی خدا کی واحد
ہستی پر دل سے یقین رکھتے تھے۔ اور اقرار توحید کے معترف تھے۔ حقیقت یہ ہے
کہ ہر شخص خواہ وہ پیغمبر ہو یا ولی یا امی توحید کا قائل ہے۔ اور یہی ہر انسان کا فطری
مذہب ہے۔ اور جو لوگ باوجود طلب و کوشش کے توحید کے اعتراف سے قاصر
رہتے ہیں۔ ان کی مثال پیدائشی اندھوں اور لنگڑوں جیسی ہے۔ جو قوانین فطرت
کے مستثنیات ہیں:

امام غزالی رح کے نزدیک خدا شناسی اور توحید باری کا اعتراف ہر شخص کا فطری
خاصہ ہے۔ یہ محض انبیاء سے مخصوص نہیں وہ کیمیائے سعادت میں جو انہوں نے جواہر القرآن
اور احیاء العلوم کے بعد تصنیف کی تھی لکھتے ہیں:۔

کہ یہ مت خیال کرو۔ کہ خدا شناسی یا اس کی ربوبیت کا اقرار انبیاء ہی کی ذات سے
مخصوص ہے۔ تمام افراد انسانی کی سرشت بلحاظ اصلی فطرت کے اقرار توحید کی اس طرح

---

[1] شرح مقاصد جلد دوم صفحہ ۲۲۸۔

قابلیت رکھتی ہے - جس طرح کہ ہر لوہے سے ایسا شیشہ بنا سکتے ہیں جس میں عالم کائنات کی صورت کا عکس پڑ سکے - البتہ اگر لوہے کو زنگ لگ گیا ہے جس نے اس کے فطری جوہر کو تباہ کر دیا ہے تو پھر مجبوری ہے - ایسا ہی جس شیشۂ دل پر حرص و بیجا خواہشات اور سیہ کاریوں کا زنگ غالب آجائے اور اس میں جاگزین ہو جائے تو وہ رَین (زنگ اور طبع (مہر لگنے) کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس سے اسکی فطری استعداد باطل ہو جاتی ہے۔

رسولِ خدا صلعم نے اسی فطری استعداد کا حدیث ذیل میں ذکر کیا - فرمایا :-

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ

کہ ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے ماں باپ اسکو یہودی بنالیں یا عیسائی یا مجوسی

خدا نے قرآن شریف کی آیت ذیل میں انسان کی اس عام فطری استعداد کا ذکر کیا - فرمایا :-

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ط میں نے لوگوں سے کہا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب نے کہا کہ ہاں !

پس توحید کا اقرار ایسا بدیہی اور فطری امر ہے جیسا کہ تم کسی عقلمند سے کہو - کہ دو ایک سے زیادہ ہیں تو وہ جواب دیگا کہ ہاں یہ بالکل سچ ہے - اگرچہ اس سے پہلے اس نے دو کا ایک سے زیادہ ہونا کبھی نہ کان سے سُنا اور نہ زبان سے کہا ہو - لیکن ہر شخص کا دل اس کی تصدیق پر مجبور ہے پس جس طرح دو کو ایک سے زیادہ جاننا تمام انسانوں کا فطری تقاضا ہے ایسا ہی خداشناسی و توحید باری کا اقرار بھی تمام آدمیوں کی فطرت میں داخل ہے فرمایا

۱- وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ - کہ اگر تم اُن سے پوچھو گے - کہ اُن کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے خدا نے ؛

۲- فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ؛

عقل و تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے - کہ یہ فطری اقرار پیغمبروں ہی کی ذات سے مخصوص

نہیں تمام انسانوں کی فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ توحید باری کا اعتراف کریں چونکہ پیغمبر بھی آدمی ہیں اس لئے وہ بھی فطرت انسانی کے تقاضا کے مطابق توحید اور وجود باری کا اقرار کرتے ہیں۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہدو کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔

امام صاحبؒ کی اپنی عبارت یہ ہے:۔

گمان مبر کہ ایں بہ پیغمبراں مخصوص ست۔ بلکہ گوہر ہمہ آدمیاں دراصل فطرت شائستہ این ست چنانکہ ہیچ آہن نیست کہ دراصل فطرت شائستہ آن نیست کہ ازاں آئینہ سازند۔ کہ صورت ہمہ عالم را حکایت کند۔ مگر آنکہ زنگار بر وے ہر شے غوص کند و وے را تباہ کند۔ ہمچنیں ہر دل کہ حرص دنیا و شہوات و معاصی بر وے غالب شود۔ و در وے متمکن شود بدرجہ رین و طبع (چرک زنگ) رسد وایں شائستگی در وے باطل شود۔ وکل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ و ینصرانہ ویمجسانہ وازعموم ایں شائستگی حق تعالیٰ خبر داد۔ بدیں عبارت الست بربکم قالوا بلیٰ چنانکہ اگر کسے گوید ہر عاقلے را کہ باوے گوئی دو از یکے بیشتر است۔ گوید بلیٰ ایں سخن راست بود۔ اگرچہ ہر عاقلے ایں بگوش نشنیدہ و بزبان نگفتہ باشد۔ لیکن درون ہمہ بہ ایں تصدیق آگندہ بود۔ و ہمچنانکہ ایں فطرت ہمہ آدمیان ست۔ معرفت ربوبیت نیز فطرت ہمہ آدمیان ست۔ چنانچہ گفت ولئن سألتہم من خلقہم لیقولن اللہ وگفت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا وبہ برہان عقل وتجربہ معلوم شدہ کہ ایں بہ پیغمبران مخصوص نیست چہ پیغمبر ہم آدمی ست قل انما انا بشر مثلکم[1]

مقدم الذکر دلیل کے دو مقدمے تھے۔ پہلے مقدمے کے اثبات میں پانچ دلیلیں لکھی جا چکی ہیں دوسرا مقدمہ یہ تھا کہ اسلام توحید باری کے اعتراف کا نام ہے اگرچہ یہ مقدمہ دلائل مندرجہ صدر میں ضمنی طور پر ثابت ہو چکا ہے مگر ہم اس پر ذیل میں تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ اسلام اور توحید مترادف ہیں اور توحید کا مکمل مفہوم لفظ اسلام کے اندر موجود ہے۔

[1] کیمیائے سعادت صفحہ ۱۴۔

اسلام کے اصلی معنی

اسلام کے معنی لغت میں اطاعت کرنے کے ہیں منتہی الارب میں گردن نہادن وکار بہ کسے سپردن کے لکھے ہیں۔ جب کسی شخص نے اپنا کام خدا کے سپرد کر دیا ہو تو کہا جاتا ہے اسلم امرہ الی اللہ جو شخص اسلام لاتا ہے وہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے اور ہر طرح سے خدا کی اطاعت کرنا اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس شخص کے مذہب کو اسلام کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں جانوروں کی قربانی مذہب کا اصول عظیم سمجھی جاتی تھی۔ اسلام نے بتایا کہ خدا قربانیوں کے گوشت سے نہیں ملتا وہ پرہیزگاری سے ملتا ہے۔ اور سب سے بڑی قربانی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرے اور اس کے احکام کی تعمیل کرے مسلم کے معنی خدا پر قربان ہونیوالے کے ہیں۔ فرمایا

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ پ۱۔ سُوْرَۃُ بقرہ ع۱۳۔

ہاں جس شخص نے اپنا آپ خدا کے سپرد کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہو۔ تو اس کا بدلہ خدا کے پاس ہے۔

اس آیت میں لفظ اَسْلَمَ کا ترجمہ سپرد کر دیا گیا ہے اَسْلَمَ اسلام کا صیغہ ماضی ہے۔ اور مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے معنی اپنے آپ کو طاعت باری کے لئے سپرد کر دینے کے ہیں[1]۔

قرآن شریف میں ایک اور جگہ مذکور ہے۔ کہ اسلام واحد خدا کی پرستش کرنے اور اس کے مطیع ہونے کو کہتے ہیں فرمایا:۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ پ۳ اٰلِ عمران ع۱

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۴۵۴۔

خدا شاہد ہے کہ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں - فرشتے اور اہل علم جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی اس کے شاہد ہیں کہ غالب حکمت والے کے سوا اور کوئی خدا نہیں - بیشک خدا کے نزدیک اسلام سچا دین ہے ؛

اس جگہ توحید کے ذکر کے ساتھ ہی بتایا گیا - کہ اسلام سچا دین ہے گویا اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خدا کو واحد ماننا عین اسلام ہے - علم نحو کے علماء نے آیہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام (خدا کے نزدیک اسلام سچا مذہب ہے) کے تین معنی کئے ہیں -

۱ - خدا واحد ہے - اس لئے دین اسلام سچا ہے - کیونکہ یہ دین خدا کو واحد ماننے کی تعلیم دیتا ہے *

۲ - خدا شاہد ہے کہ وہ واحد ہے اور دین اسلام برحق ہے *

۳ - بصرہ کے نحوی کہتے ہیں کہ دوسری آیت پہلی آیت کا بدل ہے اور اصلی معنی یہ ہیں - ان دین الاسلام ھو التوحید نفسہ (کہ خود توحید ہی اسلام کا مذہب ہے)

امام رازی نے تفسیر کبیر میں نحویان بصرہ کی رائے کی تائید کی اور بتایا کہ حقیقت میں اسلام اور توحید دو جداگانہ چیزیں نہیں - ایک ہی شئے کے دو مختلف نام ہیں اور اگر آیت مذکورہ کو بدل اشتمال قرار دیا جائے تب بھی توحید باری کے اعتراف کو اسلام کا اصولِ اعظم ماننا پڑتا ہے[1] ؛

اسلام کے نام کے لغوی معنی

اسلام کا لفظ اصل لغت کی رو سے تین معنوں میں بولا جاتا ہے :-

۱ - اطاعت اور متابعت - اسلام اور سلام کا مادہ سلم ہے - جس کے معنی تسلیم و اطاعت اور سلامتی کے ہیں - اسلام کا لفظ قرآن شریف میں تسلیم و اطاعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے - فرمایا :-

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا - پ ۵ - سورۃ نساء - ع ۱۴

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ - صفحہ ۴۲۳ *

جو شخص تم کو سلام کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ؎

اس آیت میں امن القیٰ الیکم السلام سے مطیع اور منقاد شخص مراد ہے ؏

۲- سلامتی عربی زبان میں مَنْ اَسْلَمَ کے معنی ہیں دخل فی السلم یعنی سلم میں داخل ہوا۔ اور سلم کے اصلی معنی سلامتی کے ہیں ؎

۳- اسلام کا لفظ عربی زبان میں کسی شئے کو کسی شخص کے لئے مخصوص کر دینے پر بولا جاتا ہے ؏

ابن انباری کے نزدیک مسلم کے معنی خدا کی خالص عبادت کرنے والے کے ہیں۔
اہل عرب کہتے ہیں سلم الشئی لفلان یعنی وہ چیز اس شخص کے لئے خالص ہو گئی پس اسلام کے معنی مذہب اور عقیدہ کو خدا کے لئے خالص کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ اسلام کی اصل لغت کے لحاظ سے تشریح ہے[1] ؏

لفظ اسلام قرآن شریف کی آیت ذیل میں اطاعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے فرمایا

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ۔ پ۳۔ آل عمران ۔ ع۹۔

سب آسمان اور زمین والے خوشی سے یا زبردستی خدا کے مسلم یعنی مطیع ہیں ؎

امام رازی کے نزدیک بھی اسلام کے معنی طاعت و انقیاد اور خضوع کے ہیں[2]
عربی زبان میں لفظ سلم اسلام کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اور سلم کے معنی لغت میں اطاعت اور اسلام کے ہیں۔ فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۔ پ۲ ۔ بقرہ ۔ ع۲۵۔

ایمان والو تم سب اسلام میں داخل ہو جاؤ ؎

اس آیت میں سلم کا لفظ اطاعت اور اسلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے ؎

امام رازی لکھتے ہیں:۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۲۳ ؏ [2] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۴ ؏

کہ سلم کے اصلی معنی اطاعت کے ہیں جیسا کہ خدا فرماتا ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ (جب ابراہیمؑ کو اس کے پروردگار نے کہا۔ کہ تو فرمانبردار ہو جا۔ تو اُس نے کہا میں فرمانبردار ہو گیا۔) اور اسلام کو اسلام اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس میں خدا کی فرمانبرداری کی جاتی ہے۔ صلح میں فریقین ایک دوسرے کے مطیع ہو جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے صلح کے معنی میں بھی سلم کا لفظ بولا جاتا ہے۔

امام صاحب کی اصلی عبارت یہ ہے:۔

اصل هذه الكلمة من الانقياد قال الله تعالیٰ اذ قال له ربه اسلم قال اسلمتُ والاسلام انما سمی اسلامًا لهذا المعنی وغلب اسم السلم علی الصلح وترك الحرب وهذا ایضا راجع الی هذا المعنی لان عند الصلح ینقاد كل واحد لصاحبه ولا ینازعه فیه[1]۔

سلم کا لفظ قرآن شریف میں بھی صلح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فرمایا:۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها۔ پ۱۰۔ انفال۔ ع۸۔

اگر مخالف لوگ صلح کی طرف مائل ہوں۔ تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔

اگر سلم کے معنی صلح کے لئے جائیں تو مقدم الذکر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ فردًا فردًا دنیا کے جداگانہ مذاہب کو ماننے والو اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ جو صلح کا سرچشمہ اور صداقت کا مشترک خزانہ ہے۔ اور جس کی تعلیم مذہبی اور دنیاوی اختلافات کو مٹا دینے والی ــــ اور ان میں اتحاد و آشتی پیدا کرنے والی ہے۔

اسلام حکم دیتا ہے کہ اگر کبھی دو شخصوں میں ناراضگی پیدا ہو جائے تو تیسرے دن ان میں سے ایک شخص دوسرے کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہکر ناراضگی کا خاتمہ کردے۔ اس جگہ سلام کے معنی صلح کے ہیں اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر صلح اور سلامتی ہو۔

ابو ایوب رضؓ انصاری کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا:۔

لا يحل للرجل ان يهجر اخاه فوق ثلث ليال يلتقيان فيعرض هذا

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۳۔

ویبرحض ھذا وخیرھما الذی یبداء بالاسلام۔ مُتفق علَیہِ

کسی شخص کو جائز نہیں۔ کہ اپنے بھائی سے تین رات سے زیادہ تک ملاقات چھوڑ دے اور جب دونوں کہیں ملیں تو یہ ایک طرف منہ پھیر لے اور وہ دوسری طرف پھیر لے۔ ان میں سے بہتر وہ ہے جو پہلے اپنے رنج کو دور کر کے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر بات چیت کرنا شروع کر دے؏

خدا کا نام مومن (امن دینے والے) کے علاوہ سلام بھی ہے۔ فرمایا:۔

القدوس السلام المؤمن۔ پ۲۸۔ سورۂ حشر۔ ع۳

خدا منزہ اور بابرکت۔ اور سلامتی کا ذریعہ اور امن دینے والا ہے؏

امام رازی رح لکھتے ہیں:۔

کہ سلام کے معنی سلامتی کے ہیں دار السّلام اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اسی لفظ سے مشتق ہیں اور خدا سلامتی کا موجب ہے۔ اس لئے اس کا نام سلام ہے۔[۱]

چونکہ خدا خود سلامتی اور امن کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے اس نے اپنے وضع کردہ مذہب کا نام بھی اسلام رکھا۔ اور اسلام کا ظاہری شعار یہ ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کو باہمی ملاقات کے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کا حکم دیا۔ تاکہ لوگوں میں عالمگیر صلح پیدا ہو۔ ایسا ہی اسلام کے دوسرے اہم عقائد اور احکام اور شعائر بھی صلح و سلامتی کی تعلیم دیتے ہیں۔ افسوس کہ جو مذہب دنیا سے مذہبی منافرت اور بغض و عداوت کی بیخ کنی کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ آج لوگوں نے اس مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے باعث اسے امن و صلح کا دشمن سمجھ لیا۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ——— چوں ندانند حقیقت رہِ افسانہ زدند

توحید کی تعلیم اسلام کا اصولِ اعظم ہے۔ توحید سے بھی یہی مقصود ہے کہ ہر فرد انسانی کے اقوال و افعال اور عقائد و خیالات میں یک جہتی پیدا ہو۔ اور اقوام عالم

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۳۳۔

کو توحید پر کاربند کرنے سے یہی مطلوب ہے کہ ان میں اتحاد اور آشتی پیدا ہو اور اسی وجہ سے اسلام صلح و آشتی کی تعلیم دینے والا مذہب ہے۔

لفظ اسلام کے علاوہ قرآن حکیم اور رسول کریم صلعم نے وضاحت کے ساتھ بتایا کہ اسلام توحید باری کے اعتراف کا نام ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے۔ فرمایا

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ پ۱۷ ۔ سورہ حج ۔ ع۵ ۔

تمہارا خدا واحد ہے پس اسی پر اسلام لاؤ۔

سورۂ زمر میں فرمایا:۔

وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ پارہ ۲۴ ۔ سورہ زمر ۔ ع۶ ۔

قبل اس کے کہ تم پر تکلیف نازل ہو اور تمہاری کوئی مدد نہ کر سکے تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس پر اسلام لاؤ۔

سورۂ احقاف میں فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ پ۲۶ ۔ سورہ احقاف ۔ ع۲ ۔

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ خدا ہمارا پروردگار ہے۔ پھر وہ اس پر قائم رہے۔ تو ان پر کچھ خوف نہیں اور نہ ان کو غم ہے۔

قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق آنحضرت صلعم نے بھی توحید باری کے اعتراف کو اسلام و کفر کی حد فاصل قرار دیا۔ آسامہ بن زید کہتے ہیں کہ جب ہم نے میدان جنگ میں شخص مقابل پر قابو پالیا تو اس نے کہدیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میرے ساتھ ایک انصاری صحابی بھی شریک تھے وہ یہ کلمہ سن کر رک گئے۔ مگر میں نے اسے نیزے سے مار ڈالا۔ جب ہم واپس رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا

سُنایا تو حضور صلعم نے فرمایا یا اسامۃ اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ ۔ اسامہ تم نے اسے اُسکے لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے کے بعد قتل کر دیا۔ آپ نے اسامہ کے اس عمل پر رنج و افسوس کا اظہار فرمایا[۱]

حضرت عثمان رض کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا :۔

مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَوَاهُ مُسْلِم

جو شخص مرجائے اور وہ خدا کو واحد جانتا ہو تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

جابر رض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا :۔

ثنتان موجبتان قال یا رسول اللہ ما الموجبتان قال من مات یُشرک باللہ شیئاً دخل النار ومن مات لا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ رواہ مسلم

دو چیزیں دو چیزوں کو واجب کر دیتی ہیں کسی شخص نے پوچھا کہ وہ کونسی دو چیزیں ہیں۔ حضور نے جواب دیا جو شخص خدا سے کسی کو شریک بنائے اور مرجائے وہ دوزخ میں جائے گا اور جو شریک نہ بنائے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا :۔

مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ رواہ احمد

خدا کو واحد جاننا بہشت کی کنجی ہے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا :۔

الایمان بضع وسبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان متفق علیہ

ایمان کی ستر اور چند شاخیں ہیں اور سب شاخوں سے بہتر خدا کو واحد ماننا ہے اور سب سے چھوٹی شاخ راستے سے ایسی چیز کو دور کر دینا ہے جو تکلیف کی موجب ہو اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

[۱] صحیح مسلم، باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ ۱۲

عقلی اسلام

اور

انسانی زندگی کا دوسرا دور

یہ انسانی زندگی کا وہ دور ہے جب انسان نے بعثت انبیاء سے پہلے اپنی خداداد عقل اور وجدان کے ذریعے سے متمدن اور با امن زندگی بسر کرنے کے لئے چند اصول وضع کئے تھے۔ اہلِ نظر کی اصطلاح میں اس زمانہ کے مذہب کو **عقلی شریعت** یا **عقلی اسلام** کہتے ہیں۔ تفسیر کبیر اور دوسری کتابوں میں اس مذہب کو عقلی شریعت ہی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چونکہ انسانی زندگی کا یہ دور ضروریات زندگی کے لحاظ سے سادہ تھا۔ اس لئے اس دور کے اصول بھی سادہ تھے۔ یہ اصول ملکی، تمدنی، معاشرتی ضرورتوں نے پیدا کئے تھے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے۔ جبکہ ابھی دنیا میں انبیاء کرام اور ہادیانِ عظام کی رسالت و ہدایت کا سلسلہ قائم نہیں ہوا تھا۔ اور سب لوگ ایک ہی مذہب کے پابند تھے جو چند مشترک و متحد عقلی اصولوں کا مجموعہ تھا اور اسی پابندی کی وجہ سے اس عقلی مذہب کے پیرؤں کو قرآن شریف میں اُمّۃً وّاحِدَۃً کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ فرمایا:۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ پ ۲۔ سورۂ بقرع ۲۶

لوگ ایک ہی قوم تھے - پھر یہ مختلف ہو گئے - تو خدا نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے - اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کر دیں - اور اس میں اختلاف بھی ان ہی لوگوں نے کیا - جن کو کتاب دی گئی تھی - باوجودیکہ ان کے پاس ظاہری دلائل آ چکے تھے اور یہ اختلاف انہوں نے محض آپس کی ضد سے کیا - پس جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے اسلام والوں کو اس کی راہ دکھا دی - اور خدا جن کو چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے ؎

امام رازی اس آیت کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں :-

کہ پہلے سب لوگ ایک ہی مذہب پر تھے جسے ایمان اور سچائی کہتے ہیں اور یہی اکثر محققین کی رائے ہے - تیسرا قول ابو مسلم اصفہانی اور قاضی معتزلی کا ہے وہ کہتے ہیں کہ (کان الناس امۃ واحدۃ فی التمسک بالشرائع العقلیۃ) کہ سب لوگ عقلی شریعتوں سے استدلال کرنے کی وجہ سے ایک قوم تھے ؎

قاضی معتزلی اس رائے کی صحت پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ النبیین سے تمام انبیاء مراد ہیں فبعث اللہ النبیین میں حرف فاء تراخی کا فائدہ دیتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک قوم تھے - پھر اس کے بعد خدا نے انبیاء کو پیدا کیا - پس ضروری ہے کہ وہ قوم جو انبیاء کے پیدا ہونے سے پہلے موجود تھی کسی ایسے مذہب کی پابند ہو جو انبیاء کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتا اور اسی مذہب کی پابندی کے لحاظ سے ان کو ایک قوم کہا گیا - اور یہ مذہب عقل ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا تھا ؎ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ ؎

قرآن شریف میں ایک اور جگہ مذکور ہے :-

ماکان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا پ۱۱ - سورہ یونس - ع

کہ لوگ ایک ہی مذہب پر تھے - پھر بعد میں مختلف ہو گئے ؎

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مذہب جو شروع میں سب لوگوں کا مشترک تھا وہ کونسا مذہب ہے جواب یہ ہے کہ وہ اسلام ہے - یہودیت یا عیسائیت وغیرہ عارضی اور فروعی چیزیں ہیں جو اس اصلی مذہب پر ماں باپ کے اثر یا خارجی اسباب کی تاثیر سے لاحق ہو گئی ہیں - آیہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا میں

بھی اسی مضمون کی جانب اشارہ ہے۔ بعثت انبیاء سے پہلے تمام لوگ اسلام ہی کے پیرو تھے؛

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں:۔

کان بین آدم و نوح عشرۃ قرون کلھم علیٰ شریعۃ من الحق فاختلفوا فبعث النبیین؛

آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان دس زمانے گذر چکے ہیں اور وہ سب لوگ سچے مذہب کے پابند تھے۔ پھر اس کے بعد خدا نے انبیاء کو بھیجا؛

ابن سعد رضؓ طبقات میں لکھتے ہیں:۔

عن ابن عباس قال ما بین نوح الیٰ آدم من الآباء کانوا علی الاسلام اسبل الجلیہ

ابن عباس کا قول ہے کہ نوحؑ سے لیکر آدمؑ تک جس قدر آباؤ اجداد گذرے ہیں وہ سب مسلم تھے

امام رازی رحؒ لکھتے ہیں:۔

بعض علماء کے نزدیک آیت مذکور کا مفہوم یہ ہے کہ سب لوگ اس لحاظ سے کہ وہ فطرت اسلام پر پیدا کئے گئے ہیں۔ ایک قوم تھے۔ پھر وہ مذاہب میں مختلف ہو گئے۔ اور آنحضرتؐ کی اس حدیث میں بھی اسی مضمون کی جانب اشارہ ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اُس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں[1]+

غرض یہ ہے کہ وہ مذہب جو بعثت انبیاء سے پہلے موجود تھا۔ اس کو عقلی اسلام کہا جاتا ہے۔ اور وہ چند اصولوں سے مرکب تھا اور وہ اصول ایسے سادہ اور آسان تھے کہ کسی شخص کو ذاتی عقل و فہم کے بنا پر ان کی تصدیق کرنے سے انکار نہیں تھا۔ بلکہ بعثتِ انبیاء کے پہلے زمانہ سے لے کر اب تک ہر مذہب و ملت کے لوگ انہی اصولوں کو صحیح تسلیم کرتے چلے آتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲۔ صفحہ ۵۵۳؛

عقلی اسلام کے دسؔ اَبدی اصُول

مسبب حقیقی نے دنیا میں غیر محدود اسباب کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ اور اس کے تمام افعال اسباب ہی کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان اسباب میں سے ایک بڑا سبب صورت نوعیہ ہے۔ قدرت نے ہر ایک نوع کے لئے جداگانہ صورتیں معین کی ہیں جن کے موجود ہونے کے ساتھ ان کے تمام لوازم اور خواص خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں نوع انسانی کو جو صُورت عطا کی گئی ہے۔ اس صورت کے عطا ہونے کے ساتھ ہی نطق و ادراک اور سب نوعی خصوصیات اور لوازم وجود میں آجاتے ہیں۔ صُورت نوعیہ فطری چیز ہے اس لئے اُس کے مقتضیات اور خصوصیات بھی فطری ہیں ان فطری خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ نوع انسانی کو مفید تدابیر پسند ہیں اور مضر تدبیروں سے نفرت ہے۔ پس جو شئے یا تدبیر یا عمل فطرت انسانی کے لئے مفید ہے اور جسے انسان کی سلیم روح اور عقل پسند کرتی ہے۔ وہ نیکی کہلاتا ہے۔ اور جو مضر ہے اور جس سے قدرتی طور پر روح متنفر یا منقبض ہوتی ہے۔ گناہ کہلاتا ہے جس طرح قدرت نے حیوانات میں یہ ملکہ پیدا کیا ہے۔ کہ وہ مفید اور مناسب غذا کھاتے ہیں۔ اور زہریلی اور مضر غذا سے نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ بعض جانور زہریلی چیز کو سُونگھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ یہ مضر ہے۔ حیوانات میں یہ قوّت یا حِسّ یا ادراک ان کی صورت نوعیہ کا لازمی خاصہ ہے۔ ایسا ہی نوعِ انسانی میں یہ فطری خاصہ موجود ہے۔ کہ اُس کو مفید اصول اور تدبیریں پسند ہوتی ہیں اور وہ مضر اصولوں سے نفرت کرتا ہے طبعی پسندیدگی اور نفرت کے علاوہ فطری خصوصیات کی شناخت کا دوسرا معیار یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس اصول کی بنا پر نیکی و بدی اور خیر و شر اور اخلاق حسنہ اور اخلاق رذیلہ اور اقرار توحید کے متعلق دنیا کی تمام قومیں

متفق الرائے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ نیک اخلاق کو پسند کرنا اور بُرے اخلاق سے متنفر ہونا اور خدا کو واحد ماننا نوعِ انسانی کا فطری تقاضا ہے۔ اگر یہ فطری تقاضا نہ ہوتا تو توحید کے مطلق اقرار اور اخلاقی اصولوں کے متعلق اقوام عالم میں بڑا اختلاف پایا جاتا۔ حالانکہ دنیا کی تمام مہذب قومیں اور اہلِ عقل توحید اور اخلاق کے مفید اصولوں کی صداقت اور صحت پر متفق ہیں۔ اور وہ اصول تعداد میں دس ہیں۔ لیکن ان میں سے بڑے اصول یہ ہیں:۔

۱۔ خدا کو واحد ماننا اور اس کی اطاعت کرنا۔

۲۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔

۳۔ عدل و انصاف سے کام لینا۔

۴۔ جھوٹ، ظلم، جہالت، عبث اور مضر باتوں سے پرہیز کرنا۔

ابو مسلم اور قاضی معتزلی کے نزدیک عقلی اسلام کے دو اصول

ابو مسلم اصفہانی اور قاضی معتزلی کے نزدیک عقلی اسلام کے دو اصول ہیں۔

۱۔ خدا کی ذات و صفات کا اعتراف۔

۲۔ ظلم، جھوٹ، جہالت، عبث، وغیرہ عقلی قباحتوں سے احتراز۔

ابو مسلم اور قاضی کی رائے میں منعم کے احسان کا شکریہ اور خدا کی اطاعت اور عدل و انصاف ایسے امور ہیں۔ جو تمام لوگوں میں مشترک طور پر معلوم ہیں ——— اور پہلے سب لوگ انہی مسلمہ اصولوں کے پابند تھے۔ بعد ازاں مختلف اسباب کی وجہ سے ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔[۱]

چونکہ قرآن شریف اسلام کی مکمل کتاب ہے۔ اس لئے اس کے متعدد مقامات میں عقلی اسلام کے اصولوں کا مفصل ذکر کیا گیا۔ ان میں سے ایک مقام یہ ہے۔ فرمایا:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

۱۔ تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۲۰۶۔

إِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ پ - الانعام - ع ۶

اے پیغمبر ان سے کہدو - کہ آؤ جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں وہ چیزیں تم کو پڑھ کر سناؤں - وہ یہ کہ تم کسی شئے کو خدا کا شریک نہ بناؤ - اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرو - اور اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے نہ مار ڈالو - تم کو اور ان کو ہم رزق عطا کرتے ہیں - اور بے حیائی کے کاموں کے کھلے ہوں یا پوشیدہ قریب نہ جاؤ - اور جس جان کا قتل خدا نے حرام کیا ہے - اس کو ناحق نہ مار ڈالو - ان چیزوں کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے - تاکہ تم سمجھ سے کام لو - اور یتیم کے مال کے قریب نہ جانا بجز اس کے کہ وہ یتیم کے لئے بہت مفید ہو - اور انصاف کے ساتھ پورا پورا ماپ کرو اور ہم کسی شخص کو اسکی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کرو تو انصاف کی بات کہو - اگرچہ فریق مخالف تمہارا قریبی رشتہ دار ہو - اور خدا کے عہد کو پورا کرو - خدا نے ان چیزوں کی تم کو نصیحت کی ہے - تاکہ تم نصیحت حاصل کرو - اور اس میں کچھ شبہ نہیں - کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے - پس تم اسی راستہ کی پیروی کرو - اور مختلف راستوں کی پیروی نہ کرو - وہ راستے تم کو خدا کے راستہ مذکور سے منتشر کر دیں گے - ان تمام باتوں کی خدا نے نصیحت کی ہے تاکہ تم نیکوکار بن جاؤ ؎

شمار کے لحاظ سے یہ اصول دس ہیں اور ان کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ اور توحید کا اعتراف کرو۔
۲۔ ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔
۳۔ بچوں کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔
۴۔ ظاہری اور باطنی بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ۔
۵۔ کسی شخص کو ناواجب قتل نہ کرو۔
۶۔ یتیم کا مال مت کھاؤ۔ بجز اس کے کہ وہ یتیم کو مفید ہو۔
۷۔ پورا پورا ماپ کرو۔
۸۔ پورا پورا تولو۔
۹۔ انصاف کرو۔ اگرچہ اس سے تمہارے قریبی رشتہ دار کو نقصان پہنچے۔
۱۰۔ خدا کے ساتھ اپنے معاہدہ کو پورا کرو۔

اگر مذکورہ بالا اصولوں کی تحلیل کی جائے تو صرف دو اصول باقی رہ جاتے ہیں۔ جو تمام اصولوں پر حاوی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ خدا کی عظمت کا اقرار۔
۲۔ مخلوق پر شفقت۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مخلوق پر شفقت و احسان کی ہدایت فرمائی۔ فرمایا۔
اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ ۔ شعب الایمان بیہقی
مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو مخلوق میں سے وہ زیادہ پسند ہے جو اس کے کنبے سے زیادہ اچھا برتاؤ کرے۔

الہامی اسلام

اور

انسانی زندگی کا تیسرا دور

انسان کی مختصر ہستی بے شمار روحانی و جسمانی قویٰ کا مجموعہ ہے۔ قوتِ عقلی کے علاوہ انسان میں ایک اور ایسی قوت پائی جاتی ہے۔ جس کے ذریعے سے وہ کبھی غور و فکر کے بدون علوم و فنون کے متعلق عجیب و غریب نکات دریافت کر لیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک ماہر طبیب کے دل میں بعض مرتبہ کسی ایسے مفید مرکب نسخے کا فوری القاء ہوتا ہے۔ جو مختلف قسم کی بیماریوں کے لئے فائدہ دیتا ہے۔ اس قسم کے خیال کے عالم خواب یا بیداری میں یکایک بے سوچے سمجھے دل میں آجانے کو الہام کہتے ہیں۔ جب انسانی قویٰ زندگی کے ابتدائی مرحلہ سے نکل کر نشو و نما پانے لگتے ہیں تو انسان کے دل میں قوتِ ملہمہ پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ قوت لوگوں میں مختلف طرح پر پائی جاتی ہے۔ جس طرح ظاہری حواس اور عقل و ادراک میں تفاوت ہے۔ ایسا ہی قوت ملہمہ کے اعتبار سے انسانی طبائع کی حالت بھی مختلف ہے۔ بعض لوگوں کو بالکل صحیح اور صاف الہام ہوتا ہے۔ اور بعض کو مبہم اور مشکل۔ الہام کی کیفیت میں درجہ کے اختلاف کے علاوہ اس کی نوعیت میں بھی اختلاف اور تفاوت پایا جاتا ہے صناع کو صنعت میں طبیب کو طب میں فلاسفر کو فلسفہ اور حکمت میں اخلاقی اور روحانی معلموں کو اخلاقی و روحانی تعلیم کے متعلق الہام ہوتا ہے۔ اور قدرت کو اس قسم کے مفید الہاموں کے ذریعہ سے نوع انسانی کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ حکمتِ باری اس امر کی مقتضی ہے کہ مخلوق کے اخلاقی اور روحانی فائدہ کے لئے

چند قوانین اور اصول بعض ایسے اشخاص کے دلوں میں القاء کئے جائیں۔ جن کے دل آئینہ کی طرح صاف اور براہِ راست حکیم مطلق کے علم و حکمت کے خزانے سے مستفید ہو سکیں حکماء اور مقنن جن اخلاقی قوانین کو بڑی تلاش اور جستجو کے بعد دریافت نہ کر سکیں۔ وہ روحانی معلم کوشش و سعی کے بدون بلاتامل ان سے بہتر اصول و قوانین معلوم کر لیں اور نہ صرف معلوم کر لیں بلکہ ان اصولوں کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے اپنی طرز زندگی اور طریق عمل سے پیش کریں۔ تاکہ عوام ان کے علم و عمل کو ایک دوسرے کے مطابق دیکھ کر ہدایت اور تلقین حاصل کر سکیں۔ یہ روشن ضمیر اور پاک دل اشخاص نبی، پیغمبر، ہادی، شارع کہلاتے۔ اور اُن کی پاک اور صاف روحیں بلاواسطہ عالم لاہوت سے روحانی اور اخلاقی حقائق کا ادراک کرتی ہیں۔ اور جس طرح دنیا میں مختلف علوم و فنون اور صنعتوں کے موجد پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن سے مخلوق فائدہ اٹھاتی رہی ہے ایسا ہی اخلاقی موجد اور روحانی مصلح بھی مختلف زمانوں میں ضرورت وقت کے مطابق ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ اور وہ اخلاقی اصول اور روحانی ہدایتیں جن کی یہ نورانی اور مقدس اشخاص تعلیم دیتے تھے۔ ان کے مجموعہ کا نام **الہامی اسلام** ہے۔ اور اس اسلام کی تمام انبیاء سابقین شروع سے لے کر اخیر تک اشاعت کرتے رہے ہیں۔ اور جس قدر نبی اور ہادی مختلف قوموں اور ملکوں میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ان سب کا مذہب یہی اسلامی الہام تھا۔

اس جگہ تین سوال پیدا ہوتے ہیں:۔

١۔ کیا تمام انبیاء کا مذہب متحد تھا؟

٢۔ اگر متحد تھا تو اختلاف مذاہب کے اسباب کیا ہیں؟

٣۔ اس متحد مذہب کے اصول کونسے ہیں؟

ہم ذیل میں ان تین سوالوں کا بہ ترتیب جواب دیتے ہیں:۔

انبیاء کرام کا متحد مذہب

حقیقت یہ ہے۔ کہ نوعِ انسانی کو ایک ہی فطری مذہب کے پاکیزہ اور مفید
اصولوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور وہ اصول ہمیشہ سے قائم ہیں۔ اور ناقابل تبدیل
ہیں۔ ان میں کبھی ردّوبدل نہیں ہوا۔ تمام انبیاء ابتدا سے ان اصولوں کی صداقت
واشاعت پر متفق رہے ہیں اور جس طرح روح انسانی ایک ہے۔ نوع انسانی
ایک ہے۔ روح اعظم (خدا) ایک ہے۔ مذہب ایک ہے۔ ایسا ہی نوع انسانی کے
ہادیوں اور انبیاء کے مذہب کا اصول اعظم ایک ہے۔ اور وہ اصول اعظم توحید باری
کا اقرار ہے۔ اور یہی تمام انبیاء کا متحد مذہب ہے۔ اور اسی مذہب کا نام اسلام ہے
سب انبیاء سابقین ہمیشہ سے اصولِ توحید کی تعلیم دیتے رہے۔ چنانچہ اس تعلیم
اور عقیدہ کی بنا پر قرآن شریف میں انبیاء سلف اور ان کی امتوں کو مسلم کے نام سے
موسوم کیا گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جب سے توحید باری کی اشاعت ہوئی ہے۔
اسی وقت سے اسلام شائع ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انسان جب سے پیدا ہوا
ہے۔ وہ اپنے فطری تقاضا سے توحید باری کا اقرار اور اسلام کی تصدیق کرتا آیا ہے

ہم ذیل میں قرآن شریف کی چند آیتیں لکھتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوگا۔ کہ تمام
انبیاء سابقین اور ان کی اُمتوں کا جو توحید باری کی قائل تھیں متحد مذہب اسلام
تھا۔ اور یہی وہ نقطۂ اتصال ہے۔ جس پر سب انبیاء متفق تھے۔ فرمایا۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ
عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى
وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

کیا یہ لوگ دین الٰہی کے سوا کسی اور دین کو چاہتے ہیں۔ حالانکہ سب آسمان اور زمین والے طوعاً کرہاً خدا پر اسلام لائے ہوئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ اے پیغمبر کہدو کہ ہم خدا پر اور جو کتاب ہم پر اتری اور جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کی اولاد پر صحیفے نازل ہوئے۔ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو خدا کی طرف سے جو کتابیں دی گئیں۔ ان سب پر ایمان لائے۔ ہم ان انبیاء میں سے کسی ایک میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور ہم ایک خدا کے مسلم ہیں ؎

۲۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ پ ۱۔ بقرہ۔ ع ۱۶

جب ابراہیمؑ سے اس کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لاؤ۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ میں رب العلمین پر اسلام لایا ہوں۔ اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اسلام ہی کی وصیت کی کہ اے بیٹو! میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا اور جب مرو تو مسلم ہو کر مرو ؎

۳۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ ۚ پ ۶۔ مائدہ۔ ع ۷

کچھ شک نہیں۔ کہ ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور ایمان کی روشنی ہے۔ اور مسلمان انبیاء تورات کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور ان کے راہب اور عالم بھی اس لئے کہ وہ کتاب الٰہی کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس پر گواہ تھے ؎

نوحؑ اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیل علیہم السلام کا مذہب بھی اسلام تھا۔ فرمایا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَي اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ پ۱۱ - یُونس - ع۱۳ ؂

اور ان پر نوحؑ کی خبر پڑھ دو - جب نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا قیام اور خدا کی آیتوں سے پند و نصیحت کرنا ناگوار گزرتا ہے تو میں نے خدا پر بھروسہ کر لیا ہے - تم اور تمہارے شریک سب جمع ہو کر ایک بات مقرر کر لو - اور تمہاری وہ تدبیر تم سب پر ظاہر ہو جائے پھر میرے ساتھ جو چاہو سو کر دو اور مجھے مہلت نہ دو پھر اگر تم نے رو گردانی کی تو میں نے تم سے کچھ اجرت طلب نہیں کی - میرا اجر خدا کے پاس ہے اور مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں ؂

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ پ۱ بقرہ - ع۱۵

(تعمیر کعبہ کے وقت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دعا کئے جاتے تھے) کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا مسلم بنائے رکھو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مسلم یعنی مطیع بناؤ ؂

یوسفؑ بھی مذہب اسلام کے پابند تھے چنانچہ ان کی دعا یہ ہے - فرمایا -

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ پ۱۳ - یوسف - ع۵ -

اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا محافظ ہے مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور نیکو کاروں میں شامل کر ؂

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے اسلام کی تاکید فرمائی - قرآن شریف میں مذکور ہے -

وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ○ پ۱۱ - سورۃ یُونس - ع۹ ؂

اور موسیٰؑ نے کہا اے قوم! اگر تم خدا کو مانتے ہو تو اسی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ تم مسلم ہو ؂

سلیمانؑ کے زمانہ میں بلقیس نے اسلام کا اظہار کیا - اور کہا -

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ پ۱۹ نمل ع۳

اے میرے پروردگار میں نے آفتاب پرستی میں اپنی جان پر ظلم کیا - اور اب میں سلیمانؑ کے ساتھ پروردگار عالم پر اسلام لائی ؂

مسیحؑ کے حواریوں کا مذہب اسلام تھا فرمایا -

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ پ - مَائِدَہ - ع

اور جب ہم نے حواریوں کو وحی کی - کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ - تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور اے خدا تو گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں؛

قرآن شریف میں اور بھی اس قسم کی اکثر آیتیں مذکور ہیں - جن میں امم سابقہ اور انبیاء سابقین کو جو توحید باری کے قائل تھے مسلم کہا گیا ہے - پس ظاہر ہے کہ جب نوحؑ - ابراہیمؑ - اسمٰعیلؑ - اسحٰقؑ - یعقوبؑ - یوسفؑ - موسیٰؑ - عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء مُسلم تھے - تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی ابتدا تیرہ سو برس سے ہوئی ہے - حالانکہ نہ صرف قرآن شریف میں کتب سابقہ کے ماننے والوں اور توحید پرستوں کو مسلم کا خطاب دیا گیا - بلکہ وہ لوگ خود بھی اپنے آپ کو مسلم کہلاتے تھے - فرمایا :-

۱ - هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (اخیر سورۂ حج)

خدا نے تمہارا نام نزول قرآن سے پہلے اور قرآن میں مسلم رکھا ہے؛

۲ - اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ پ قصص

جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں - اور جب وہ قرآن انکے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے - کہ ہمارے پروردگار کی طرف سے سچ ہے - ہم تو پہلے سے مسلم تھے؛

جو لوگ رسول خدا صلعم سے پہلے پرانے زمانہ میں توحید باری پر ایمان لا چکے تھے - ان کو صرف قرآن ہی نے مسلم کا خطاب نہیں دیا - بلکہ عام طور پر دوسرے لوگ بھی انکو مسلم کے نام سے یاد کرتے تھے؛!

ابو ریحان ہروی جو بہت بڑے منجم اور مؤرخ گذرے ہیں تو وہ اپنی مشہور کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں ذو القرنین کے متعلق لکھتے ہیں کہ ذو القرنین

کا نام ابوکرب شمس بن عبیر تھا - اور وہ مسلم تھے - اور سلاطین حمیر میں سے تھے - ایک حمیری شاعر ان کی تعریف بیان کرتا ہے :-

قد کان ذوالقرنین قبلی مسلما　　ملکا علی فی الارض غیر مفند

مجھ سے پہلے ذوالقرنین مسلمان بادشاہ ہو گذرا ہے جس کا روئے زمین پر غلبہ ہوا ہی اور وہ صائب الرائے تھا

بلغ المشارق والمغارب یبتغی　　اسباب ملک من کریم سید

مشرق سے مغرب تک اس کی سلطنت پہنچ گئی اور وہ سلطنت کے وسائل خداوند کریم سے ڈھونڈتا رہا

انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کو مسلم اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ توحید باری کی معترف تھیں - اور ان کو توحید کی تعلیم دی جاتی تھی اور توحید پر ایمان لانا اسلام کی روح و روان ہے ؎

محدث محمد بن اسمٰعیل یمنی تطہیر الاعتقاد کے شروع میں لکھتے ہیں :-

ان رسل اللہ وانبیاءہ من اولھم الی اٰخرھم بعثوا الدعاء العباد الی توحید اللہ - تطہیر الاعتقاد صفحہ ۳ ؎

بے شک خدا کے رسول اور انبیاء شروع سے لے کر اخیر تک لوگوں کو توحید باری کی دعوت دینے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے ؎

غرض یہ ہے کہ توحید باری کا اعتراف تمام انبیاء کے مذہب اسلام کا مشترک اصول اعظم ہے - اور اس اشتراک کی بنا پر قرآن شریف میں بتایا گیا - کہ سب انبیاء کا مذہب متحد تھا - اور رسول خدا صلعم بھی اسی مذہب کے پیرو تھے - فرمایا :-

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْهِ - پ ۲۵ - شوریٰ - ع ۲ ؎

خدا نے تمہارے لئے مذہب کا وہی راستہ مقرر کیا ہے - جس کے اختیار کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا - اور اے محمدؐ اسی مذہب کی ہم نے تیری طرف وحی کی - اور

؎ تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۰۰ ؎

اسی مذہب کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا۔ پس اسی ایک مذہب کو قائم رکھو اور اس میں جدا جدا فرقے نہ بناؤ۔ اور جس امر کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان پر بڑا شاق ہے"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ تمام انبیاء کا شروع زمانہ سے لے کر رسولِ خدا صلعم کے عہد تک مذہب ایک تھا۔ اور اس کے اصول بھی ایک تھے۔

اصول انبیاء کے اتحاد پر شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس مضمون پر کہ اصول دین ایک ہیں اور صرف شریعتیں اور طریقے مختلف ہیں مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس عنوان سے آگے شروع باب میں آیت مذکور کو بطور سند ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ اور چند آیتیں لکھی ہیں اور اخیر میں فرماتے ہیں۔ کہ مذکورہ بالا آیتوں کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے:-

ان اصل الدین واحد واتفق علیہ الانبیاء علیہم السلام وانما الاختلاف فی الشرائع والمناہج۔ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۸۵

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اصل دین ایک ہے جس پر سب انبیاء متفق ہیں اختلاف صرف شریعتوں اور طریقوں میں ہے۔

رسول خدا صلعم انبیاء سابقین کے ہم مذہب تھے

رسول خدا صلعم کا مذہب انبیاء سابقین کے مذہب سے مختلف نہ تھا اور انبیاء سابقین کے مذہب بھی آپس میں متناقض نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو رسولِ خدا صلعم کو انبیاء سابقین کی ہدایت کی پیروی کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ فرمایا:-

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ پ۔ انعام۔ ع ۱۰

ان انبیاء سابقین کو خدا نے ہدایت یاب بنایا تھا۔ اے محمدؐ تم بھی ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔

مفسرین کا اس امر کی تعیین میں جس کی پیروی کرنے کا رسول خدا صلعم کو حکم دیا گیا تھا اختلاف ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے۔ کہ اس سے ایسے اصول مراد ہیں جن پر سب لوگ متفق ہیں اور وہ خدا کی ذات اور صفات کی توحید و تنزیہ اور تمام عقلی امور کو تسلیم کرنا ہے۔

دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اس آیت میں آنحضرتؐ کو اخلاق حمیدہ اور اعلیٰ صفات

کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا یعنی جس طرح دیگر انبیاء سابقین لوگوں کی ایذا پر صبر اور ان سے درگذر کرتے تھے ایسا ہی تم بھی کرو۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ آیت مذکورہ میں آنحضرت صلعم کو انبیاء سابقین کے مذاہب کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا۔ مگر صرف وہ امر مستثنے ہے جس کی کسی دلیل سے تخصیص کر دی گئی۔ پس اس قول کے مطابق تمام سابقہ مذاہب کی پیروی کرنا لازم ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں۔ کہ خدا نے اس آیت سے اوپر کی آیتوں میں انبیاء کے شرک سے احتراز کرنے اور ان کے شرک کی تردید میں کوشش کرنے کا ذکر فرمایا اور وہ آیتیں اس مضمون پر ختم ہوئی ہیں۔ کہ اگر وہ انبیاء شرک کرتے تو اُن کے اعمال حبط ہو جاتے۔ اس کے بعد انبیاء کے توحید پر قائم رہنے اور شرک سے انکار کرنے کی تاکید کا ذکر ہے۔ اور فرمایا کہ اگر وہ کفر کرتے۔ تو ہم ان پر ایسی قوم مسلط کر دیتے۔ جو کافر نہ ہوتی۔ اس کے بعد مذکور ہے۔ کہ خدا نے انبیاء کو ابطالِ شرک اور اثباتِ توحید اور جاہلوں کی بیوقوفانہ ایذاؤں کے برداشت کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اے محمدؐ تم بھی ان انبیاء کی پیروی کرو۔

دوسرے علماء کے نزدیک آیت کے الفاظ عام ہیں۔ جو تمام امور مذکورہ بالا پر مشتمل ہیں۔ صرف وہی امر مستثنےٰ ہے جس کی کسی علیحدہ دلیل سے تخصیص کر دی گئی۔

وقال الاخرون اللفظ مطلق فهو محمول على الكل الا ما خصه الدليل المنفصل[1]

غرض یہ ہے کہ علماء اسلام نے اس امر کی تعیین میں اختلاف کیا کہ رسولؐ خدا کو کس امر میں انبیاء سابقین کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن قرآن مجید نے جو خود اپنی بہترین تفسیر ہے۔ اس اختلاف کا صراحت کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ اور ذیل کی آیت میں بتا دیا ۔ کہ جس ہدایت کی پیروی کے متعلق رسولؐ خدا کو حکم دیا گیا تھا۔ وہ اسلام اور توحید کی ہدایت ہے۔ فرمایا۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۸۶

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ پ انعام ع

اے پیغمبرؐ کہدو۔ کہ ہدایت یعنی راہ راست تو خدا ہی کا راستہ ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سارے جہان کے پروردگار پر اسلام لائیں ؎

رسول خدا صلعم نے فرمایا:۔

اَنَا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ وَدِيْنُنَا وَاحِدٌ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ہم انبیاء کے گروہ ہیں۔ ہمارا مذہب ایک ہے۔

اتحادِ مذہب پر مولانا رومؒ کی رائے

مولانا رومؒ انبیاء کے متحد المذہب ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ہی روح ان کے تمام اجسام میں موجود ہے۔ اور تفاوت صرف ان کی ذاتی قابلیت کے لحاظ سے ہے۔ اور جب کہ تمام انبیاء کے جسموں میں ایک ہی روح پائی جاتی ہی تو ان کے خیالات اور تعلیم میں اختلاف پیدا ہونا ناممکن ہے۔ جیسا کہ ایک سورج کے مختلف گھروں میں طلوع ہونے سے سورج کی روشنی میں تفاوت پیدا نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں:۔

جان گرگان وسگاں از ہم جدا است ۔۔۔ متحد جانہائے شیرانِ خدا است

بھیڑیوں اور کتوں کی روح ایک دوسرے سے جدا ہے ۔۔۔ لیکن شیرانِ خدا کی روحیں ایک ہیں۔

جمع گفتم جانہاشاں من باسم ۔۔۔ کاں یکے صد جان بود نسبت بجسم

میں نے روحوں کا لفظ جمع نام کے لحاظ سے استعمال کیا ۔۔۔ کہ ایک روح جسموں کے لحاظ سے سو بن جاتی ہے

ہمچو آں یک نور خورشید سما ۔۔۔ صد بود نسبت بہ صحنِ خانہا

جیسے آسمان کے اکیلے آفتاب کی روشنی ۔۔۔ سو گھروں کے صحن کی نسبت سے سو ہو جاتی ہے

زاں ہمہ جنگند ایں اصحاب ما ۔۔۔ جنگ کس نشنید اندر انبیاء

لوگ اختلاف روح کی وجہ سے لڑتے ہیں ۔۔۔ مگر انبیاء میں کبھی کسی نے لڑائی نہیں دیکھی

مولانا مثنوی کے دوسرے دفتر کے شروع میں فرماتے ہیں:۔

مفترق شد آفتاب جانہا ۔۔۔ در درونِ روزنِ ابدانہا

روحوں کا واحد آفتاب جسموں کے ۔۔۔ جھروکوں میں متفرق ہوا ہے

چوں نظر برقرص داری خود یکے است | آنکہ شد محجوب ابداں در شکے است
جب سورج کے آفتاب کے جرم کو دیکھو تو وہ ایک ہے | جو شخص جسموں کے پردوں کو دیکھتا ہے وہ شک میں پڑ جاتا ہے

تفرقہ در روحِ حیوانی بود | نفسِ واحد روحِ انسانی بود
کیوں کہ روحِ حیوانی میں تفرقہ ہے | اور روحِ انسانی ایک ہے

مؤخر الذکر شعر میں مولانا کا اشارہ قرآن شریف کی آیت هُوَ الَّذِی خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی جانب ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ کہ لوگو خدا وہ ہے جس نے تم کو رُوحِ واحد سے پیدا کیا۔ اس آیت کے علاوہ قرآن شریف میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ خدا کے رسولوں میں بہ لحاظ رسالت اور ہدایت کے کچھ تفریق نہیں فرمایا: "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (ہم اپنے رسولوں میں سے کسی رسول میں تفریق نہیں کرتے ہیں"

مولانا مثنوی کے پہلے دفتر میں مؤخر الذکر آیت کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ اگر دس چراغ کسی جگہ رکھو تو گو وہ صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جُدا ہوں گے۔ مگر روشنی کے اعتبار سے وہ سب ایک ہیں۔ ایسا ہی اگر تم سو سیب گنو۔ تو شمار میں وہ سو ہوں گے۔ مگر جب ان کا نچوڑ لیا جائے تو وہ ایک ہو گا۔ یہی صورت انبیاء کی تعلیم کی ہے کہ وہ سب متحد اصولوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اگر ان کے مذاہب کا نچوڑ لیا جائے۔ تو وہ ایک ہو گا اور اسی تمام مذاہب حقہ کے نچوڑ کا نام اسلام ہے

دہ چراغ ار حاضر آری در مکان | ہر یکے باشد بصورت غیرِ آن
اگر تم کسی جگہ دس چراغ لا کر رکھو | صورت کے لحاظ سے ہر چراغ دوسرے سے جدا ہو گا

فرق نتواں کرد نورِ ہر یکے | چوں بنورش روئے آری بے شکے
مگر جب ان کی روشنی دیکھو گے | تو اس میں کچھ فرق معلوم نہ کر سکو گے

اطلب المعنٰی من الفرقان قل | لا نفرق بین احد من الرسل
اس کے معنی قرآن سے تلاش کرو اور یہ آیت پڑھو | کہ ہم رسولوں میں تفریق نہیں کرتے

گر تو صد سیب و صد آبے بشمری	صد نماند یک شود چون بفشری
اگر سو سیب اور سو اس کے پانی کو شمار کرو تو سو ہوگا	جب ان کو نچوڑو گے تو وہ سو نہیں رہیں گے ان کا پانی ایک ہوگا
در معانی قسمت و اعداد نیست	در معانی تجزیہ و افراد نیست
در اصل معانی میں تقسیم اور شمار نہیں	اور نہ معانی مفرد اور مرکب ہوتے ہیں
اتحاد یار با یاران خوش است	پائے معنی گیر و صورت سرکش است
کیونکہ باطنی دوست کا باطنی دوستوں سے ملنا اچھا ہے	باطنی معنی کو اختیار کرو ظاہری صورت معتبر چیز نہیں

مولانا تیسرے دفتر میں لکھتے ہیں۔ کہ نور ہدایت اور نور روحانیت ایک ہے۔ اہل مذاہب میں جو اختلاف پایا جاتا ہے یہ نظر کا اختلاف ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ور نظر بر نور داری وا رہی	از دوئی و اعداد و جسم اے منتہی
اے منتہی شخص اگر تم اصلی نور کو دیکھو گے	تو جسم کے شمار اور دوئی سے چھوٹ جاؤ گے
از نظر گہ ہست اے مغز وجود	اختلاف مومن و گبر و یہود
اے مغز ہستی ظاہری نظر کی وجہ سے	مومن اور گبر اور یہود کا اختلاف ہے

مولانا اہل مذاہب کے اختلاف کی مثال بیان کرتے ہیں۔ کہ:۔

ایک ہاتھی تاریک گھر میں موجود تھا۔ کسی شخص نے اندھیرے میں اس کی سونڈ دیکھی۔ اس نے کہا کہ ہاتھی پرنالے جیسا ہے۔ جس نے اس کا کان دیکھا۔ وہ کہنے لگا کہ پنکھے جیسا ہے۔ جس نے ٹانگ دیکھی۔ اُس نے کہا۔ ستون کی مانند ہے۔ اگر وہاں کسی شخص کے ہاتھ میں شمع ہوتی۔ تو ان کا باہمی اختلاف رفع ہو جاتا۔ اِسی طرح ظاہری آنکھ یا خارجی حس اس اصلی حقیقت کا جو تمام مذاہب اور اشیاء میں مشترک ہے۔ احساس نہیں کر سکتی۔ ظاہری حس کی مثال اس ہاتھ کی ہے۔ جس نے ہاتھی کے مختلف اعضاء کو محسوس کر کے اس کی مختلف تعریفیں بیان کیں۔ ورنہ صحیح اور کامل ادراک حس باطنی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اور باطنی ادراک سے ظاہری اختلاف دُور ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

از نظر گہ گفت شاں بُد مختلف	آں یکے دالش لقب داد آں الف
ان لوگوں کا کلام اختلاف نظر کی وجہ سے مختلف تھا	ایک ہاتھی کی شکل دال جیسی اور دوسرا الف جیسی بتلاتا تھا
چشم حس ہمچوں کف دست است و بس	نیست کف را بر ہمہ آں دسترس
حس ظاہری کی آنکھ ظاہری ہاتھ کی ہتھیلی کی مانند ہے	ظاہری ہاتھ کی ہتھیلی کی تمام چیز تک رسائی نہیں
چشم دریا دیگر است و کف دگر	کف بہل و ز دیدہ دریا نگر
دریا کی آنکھ اور ہے اور دریا پر جو جھاگ ہے وہ اور ہے	جھاگ کو چھوڑ کر اصل دریا کو آنکھ چرا کر دیکھو

مولانا روم سے پہلے حکیم سنائی نے حدیقہ میں اس تمثیل کو بیان کیا۔ لیکن تاریک گھر کی بجائے اندھوں کی تمثیل دی۔ **شاہ ولی اللہ** صاحب نے ایک رسالہ میں جو وحدت وجود اور وحدت شہود کی تطبیق پر تصنیف کیا تھا۔ یہ تمثیل بیان کی امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت میں اس تمثیل کا ذکر کیا۔ مہاتما بدھ نے بھی اپنے شاگردوں کو یہ مثال بتائی تھی +

حقیقت میں مذہب فطری چیز ہے۔ اور فطری جذبات اور خصوصیات مشترک اور عام ہوتے ہیں۔ جیسے چلنا پھرنا بیٹھنا اُٹھنا۔ سونا۔ جاگنا وغیرہا ایسے طبیعی مقتضیات ہیں۔ جو تمام افراد انسانی میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں ایسا ہی فطری مذہب کے اصول تمام مذاہب میں مشترک اور متحد طور پر موجود ہیں۔ اگر تمام مذاہب کے اصولوں کی تحلیل کی جائے یا سب مذاہب باہمی تفریق کو دُور کر کے صداقت کی مشترک اور مساوی سطح پر آجائیں۔ تو اُس وقت وہ فطری مذہب جس کے سرچشمہ صداقت میں مل کر تمام مذاہب اپنی متفرق ہستیوں کو دُور کر دیں گے۔ اسلام ہوگا۔ جس کے تمام اصول عام اور وسیع اور فطری اور الہامی ہیں +

اگر شبہ پیدا ہو۔ کہ جب مذاہب بلحاظ اصول کے متحد ہیں۔ تو اُن میں اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔ تو جواب یہ ہے :-

کہ مذاہب میں جو اختلاف موجود ہے وہ ان کے فروعی حصے میں ہے جو مذاہب

کی ماہیت میں داخل نہیں۔ چونکہ اس خارجی حصّہ کے متعلق انبیاء نے مختلف ممالک اور مختلف زمانہ میں لوگوں کے مختلف حالات وعادات کے مطابق مختلف طریقوں پر تعلیم دی۔ اس لئے عوام نے مذاہب کو بہ لحاظ اصول کے مختلف سمجھ لیا۔

اگر یہ شبہ پیدا ہو۔ کہ قرآن شریف میں بعض آیتیں اس قسم کی موجود ہیں۔ جن سے بادی النظر میں لوگوں کا مختلف المذاہب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ شبہ غلط ہے۔ اس لئے کہ ان آیتوں میں صرف اس اختلاف کا ذکر ہے۔ جو مذہب کے فروعی حصّہ سے تعلق رکھتا ہے اور وہ آیتیں یہ ہیں:۔

پہلی آیت:۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً

پ ۶۔ سورہ مائدہ۔ ع ۱۱۔

اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور طریقہ مقرر کر رکھا ہے۔ اگر خدا چاہتا۔ تو تم سب کو ایک قوم بنا دیتا۔

دوسری آیت:۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝ پ ۱۷۔ حج۔ ع ۱۰

ہم نے ہر ایک قوم کے لئے شریعت بنا دی۔ اور وہ اس پر عمل پیرا ہے۔ پس یہ لوگ تم سے اسلامی شریعت میں تنازع نہ کریں۔ اور تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ تم راہِ راست پر ہو۔

ہم قرآن شریف کی جو آیتیں شروع مضمون میں لکھ چکے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انبیاء سابقین کا مذہب متحد تھا اور وہ اسلام تھا۔ اور لوگوں کو ایک ہی قوم اور ایک ہی اصولوں کے پابند کیا گیا تھا۔ اور بعض آیتوں میں جو مؤخر الذکر ہیں۔ مذکور ہے کہ "ہم نے ہر قوم کے لئے شریعت اور طریقہ جدا جدا مقرر کر دیا ہے"۔

دونوں قسم کی آیتیں ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔ ان میں تعارض نہیں ہے اس لئے کہ جن آیتوں میں اتحاد کا ذکر ہے۔ وہ اصول مذاہب کے اتحاد کے متعلق ہیں۔ اور جن آیتوں میں اختلاف کا بیان ہے وہ فروعی حصّہ کی نسبت ہیں

امام رازی نے بھی اس تعارض کا یہی جواب دیا ہے۔

امام صاحب کی عبارت یہ ہے :۔

طریق الجمع ان نقول النوع الاول من الآیت مصروف الی ما یتعلق باصول الدین والنوع الثانی مصروف الی ما یتعلق بفروع الدین تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۱

ہماری رائے میں دونوں قسم کی آیتوں میں تطبیق دینے کا طریق یہ ہے۔ کہ پہلی قسم کی آیتیں اصول دین کے متعلق ہیں اور دوسری قسم کی آیتیں فروع دین کی نسبت وارد ہیں۔

قرآن شریف میں ایک اور آیت مذکور ہے۔ جس سے لوگوں کے مختلف المذاہب ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن وہ استدلال غلط ہے۔ اس لئے کہ اس آیت میں لوگوں کے فروعی اور ملکی اور قومی اور معاشرتی اختلاف کا ذکر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ اصول دین میں مختلف ہیں۔ وہ آیت یہ ہے :۔

تیسری آیت۔ ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ لا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم۔ (ھود ۱۱۹)

اگر تمہارا پروردگار چاہتا۔ تو لوگوں کو ایک قوم بنا دیتا۔ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر جس پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ اور اسی کے لئے اس نے اُن کو پیدا کیا ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک اس آیت سے مقصود یہ ہے۔ کہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے اور خدا نے ان کو اختلاف ہی کے لئے پیدا کیا ہے یہ رائے غلط ہے جس کے دو وجوہ ہیں

۱۔ قرآن شریف کی اکثر آیتوں میں لوگوں کو باہمی تفرقہ اور اختلاف سے منع کیا گیا۔ اگر اختلاف مذہب فطرت انسانی میں داخل ہوتا۔ تو اس سے منع کرنا نہ صرف بےفائدہ تھا۔ بلکہ یہ ایسے امر کی تکلیف دینا تھا جو انسان کی طاقت میں نہیں۔ اور قرآن شریف میں مذکور ہے۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ پ ۳۔ بقرہ۔ ع ۸

خدا کسی شخص کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

نیز دوسری جگہ قرآن میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا۔ کہ تمام لوگ عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ فرمایا:۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ○ پ۲۷۔ ذٰریٰت۔ ع۳

ہم نے جن وانس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ انسان اختلاف کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ عبادت کے لئے پیدا ہوا ہے۔ مفسرین کو ولذالك خلقهم کے الفاظ سے غلطی لگی ہے ذٰلِكَ اسم اشارہ مذکر ہے۔ اس لئے مفسرین اس کا مشارٌ الیہ اختلاف قرار دیتے ہیں جو مذکر ہے۔ حالانکہ ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ رحمة یا رحم بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرح پر لذالك خلقهم کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انسان رحم ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اگر شبہ پیدا ہو کہ رحمة مؤنث ہے۔ اس کا اسم اشارہ بجائے ذٰلِكَ کے تِلْكَ آنا چاہیئے تھا۔ تو یہ شبہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ قرآن شریف کے دیگر مقامات میں رحمة کے لئے مذکر اسم اشارہ اور مذکر صیغہ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا:۔

قَالَ هٰذَا مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّیْ۔ پ۱۶۔ کہف۔ ع۲

کہا یہ میرے پروردگار کی رحمت ہے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ پ۸۔ اعراف۔ ع۷

بیشک خدا کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے۔

اگر ذٰلِكَ کا اشارہ اختلاف کی جانب ہو۔ تب بھی اس سے مذاہب عالم کا فروعی اختلاف مراد ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ مذاہب حقہ اصول میں مختلف ہیں ذٰلِكَ کا اشارہ رحمت کی طرف ہو۔ یا اختلاف کی جانب۔ دونوں صورتوں میں آیت کا مضمون یہ ہے۔ کہ جو اہل رحمت ہیں وہ اصول مذہب میں اختلاف نہیں

کرتے۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ قرآن شریف میں اس مضمون کی آیتیں بھی مذکور ہیں کہ "اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت یاب اور مومن پیدا کرتا" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو سب کا ہدایت یاب ہونا پسند نہیں۔ اور جب یہ صورت ہے۔ تو تمام لوگ ایک ہی مذہب کے پابند نہیں ہو سکتے؛

وہ آیتیں یہ ہیں۔ فرمایا:۔

چوتھی آیت:۔ وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ ○ پ۷۔ انعام۔ ع۴؛

اور اگر ان کا تم سے منہ پھیر لینا تم کو ناگوار گذرتا ہے۔ اور اگر تم ایسا کر سکتے ہو۔ کہ تم زمین میں سرنگ کی جستجو کرو یا آسمان میں زینہ لگاؤ۔ تاکہ کوئی ان کو معجزہ دکھاؤ تو ایسا کر لو۔ اور اگر خدا چاہتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا۔ پس جاہلوں سے نہ بن؛

پانچویں آیت:۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ○ پ۱۱۔ یونس۔ ع۱۰؛

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا۔ تو جتنے آدمی زمین پر موجود ہیں۔ وہ سب ایمان والے ہو جاتے۔ تو کیا تم لوگوں کو مومن بننے کے لئے مجبور کرو گے؛

چھٹی آیت:۔ ولو شاء لاٰتینا کل نفس ھداھا۔ پ۲۱۔ سجدہ۔ ع۱۵؛

اور اگر ہم چاہتے۔ تو ہر شخص کو ہدایت یاب بناتے؛

حقیقت یہ ہے۔ کہ مذکورہ بالا آیتوں سے مذاہب کے اصولی اختلاف پر استدلال کرنا غلط ہے۔ ان میں خدا نے اپنے ارادہ ازلی اور مشیت سابقہ کا ذکر فرمایا۔ اور قادر مطلق ہونے کا اظہار کیا۔ کہ اگر ہم چاہتے تو آج جو گمراہ اور کور باطن اشخاص موجود نظر آتے ہیں ان کو پیدا ہی نہ کرتے۔ مگر ان کو پیدا کرنا بھی حکمت باری کا تقاضا ہے۔ ورنہ ان آیتوں سے یہ مقصود نہیں کہ خدا اپنے بندوں کے لئے اسلام کی بجائے

کفر اور ہدایت کی بجائے گمراہی پسند فرماتا ہے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے:۔

لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ۔ پ۲۳۔ زمر۔ ع۵ ؎

کہ خدا اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا؎

صوفیہ کے نزدیک عالم کائنات کا نظام ایسا ہے۔ کہ اس میں ایمان وکفر کا تفاوت باقی رہنا لازمی ہے۔ اور یہ تفاوت عالم تعینات میں دُور نہیں ہو سکتا۔

خواہی کہ نماند بجہاں مومن و کافر ۔۔۔ لطفے بنما پردہ بانداز ز رخسار
حقاکہ اگر پردہ ز روئے تو بر اُفتد ۔۔۔ وز غیر تو نہ عین تواں یافت نہ آثار

ابن رشد کی تطبیق

ابن رشد نے کشف الادلہ میں جور و عدل پر مستقل باب باندھا۔ اور اس باب میں آیات مذکورہ کے تعارض اور تطبیق کا مفصل ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

کہ اگر اعتراض کیا جائے۔ کہ قرآن شریف میں بعض جگہ لکھا ہے:۔

(۱) یضل اللہ من یشاء ویھدی من یشاء۔

خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے؎

(۲) ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھدٰھا۔

اور اگر ہم چاہیں تو ہر شخص کو ہدایت یاب بنا دیں؎

اس سے ظاہر ہے کہ خدا بندوں کو گمراہ کرتا ہے۔ تو کیا گمراہ کرنا ظلم نہیں؎

دوسری جانب اس کے خلاف قرآن شریف میں اس قسم کی آیتیں موجود ہیں؎

لا یرضی لعبادہ الکفر۔ کہ خدا اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدا بندوں کو گمراہ نہیں کرتا۔ اور نہ ان کے لئے کفر یا گمراہی پسند کرتا ہے۔ ان دونوں قسم کی آیتوں کے تعارض کو رفع کرنے کی خاطر اشعریہ کہتے ہیں کہ خدا نہ کام کرتا ہے جو اسے ناپسند ہے۔ اور وہ ایسے کام کرنے کا حکم دیتا ہے جسے وہ نہیں چاہتا۔ پس ہم خدائے پاک کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنے سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ کفر ہے؎

بے شبہ قرآن شریف میں ایسی آیتیں موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے انسان کو گمراہ یا کافر نہیں بنایا۔ اور نہ اس کو گمراہی کے لئے پیدا کیا۔ بلکہ ہر بچّہ کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے۔ فرمایا:۔

(۱) فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا ٭

خدا کی جانب مائل ہو کر اپنا رُخ مذہب کی طرف سیدھا کر۔ یہ خدا کی وہ فطرت ہے۔ جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

(۲) واذ اخذ ربّک من بنی اٰدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علٰی انفسھم الست بربکم قالوا بلٰی شھدنا ٭

اور جب تمہارے پروردگار نے نوع انسانی کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی۔ اور ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرایا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ کیوں نہیں ہم تیرے پروردگار ہونے کے گواہ ہیں۔

رسول خدا صلعم نے فرمایا:۔

کلّ مولود یولد علی الفطرۃ۔ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے۔

جن آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اگرچہ ان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگ گمراہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن اس تعارض کو جو قرآن شریف کی آیتوں اور حدیثوں میں پایا جاتا ہے۔ ایسے طریق پر رفع کرنا چاہیئے۔ جو بالکل عقل کے مطابق ہو۔ ہماری رائے میں اس آیت سے کہ "خدا جس کو چاہتا ہے۔ گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے" وہ مشیت سابقہ اور ارادہ ازلی مُراد ہے۔ جس کا یہ تقاضا ہے کہ اقسام موجودات میں ایسے لوگوں کا موجود ہونا ضروری ہے جو اپنے طبعی تقاضا یا داخلی و خارجی اسباب کی بنا پر گمراہی کے لئے تیار ہیں۔ اور اس آیت سے کہ "اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے" یہ ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ایسے لوگ پیدا ہی نہ کئے جاتے جو اپنے طبعی تقاضا یا داخلی و خارجی اسباب سے گمراہی حاصل کرنے کے لئے تیار ہوتے۔ مگر چونکہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں اس لئے

ایک ہی قسم کی آیتیں کسی قوم کے لئے ہدایت کا موجب ہیں۔ اور دوسری قوم کے لئے گمراہی کا باعث ہیں۔ جن لوگوں کی طبیعت میں شرارت یا کجروی ہے ان کے لئے قرآن کی آیتیں گمراہ کرنے والی ہیں۔ جیسا کہ ردی اجسام کے لئے مفید غذا مضر ہوتی ہے۔ فرمایا۔

یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین

بہت لوگ قرآن سے گمراہ ہوتے ہیں۔ اور بہت اس سے ہدایت پاتے ہیں۔ مگر اس سے فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں +

پس جس طرح مفید غذا بیمار جسم کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتی ہے۔ اسی طرح پر خدا قرآن سے بعض لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور یہی اس آیت کے معنی ہیں۔ کہ خدا جس کو چاہتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے +

اگر یہ شبہ پیدا ہو۔ کہ خدا کو اس قسم کی متعارض اور متناقض آیتوں کے بیان کرنے سے کیا فائدہ تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور جس طرح پر اس مسئلہ کو سمجھ رہے تھے۔ وہی اس کا اصلی موجب ہے۔ اکثر گمراہ قومیں دو خدا مانتی تھیں۔ جن میں سے ایک خدا نیکی پیدا کرنے والا اور دوسرا بدی کا خالق۔ قرآن شریف میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ خدا عادل ہونے کے ساتھ خیر و شر دونوں کا خالق ہے۔ چونکہ کسی شخص کو گمراہ کرنا بدی ہے۔ اور بدی کا خالق بھی خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ گمراہ کرنے کو بھی خدا کی جانب اسی طرح منسوب کیا جائے۔ جس طرح پر بدی کے پیدا کرنے کو منسوب کیا جاتا ہے۔ مگر اسکو عام معنی میں سمجھنا درست نہیں۔ اس لئے کہ خدا کے خالق ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ بھلائی کو بھلائی کے لئے اور بدی کو بھلائی کی خاطر پیدا کرتا ہے[1] +

ہم اس مسئلہ کی تفصیل کہ خدا نے برائی کو اور برے لوگوں کو کیوں پیدا کیا۔ اس کتاب کی دوسری جلد میں بیان کریں گے۔ اس جگہ صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ خدا نے بحیثیت خالق خیر و شر یا علت العلل ہونے کے ہدایت اور گمراہی کو جو مقررہ اسباب اور معین قوانین کے مطابق پیدا ہوتی ہے اپنی جانب منسوب کیا۔ اور انسان

---

[1] الکشف عن مناہج الادلہ۔ مطبوعہ مصر صفحہ ۹۲

کو اپنے ارادہ اور عمل پر مختار ہونے کی وجہ سے گمراہی اور بدی سے بچنے کی تاکید فرمائی اور بتایا کہ خدا گمراہی اور کفر کو پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ انسانی زندگی کے لئے مضر ہیں۔ اب ہم اس بحث کو چھوڑ کر اصل مضمون کی جانب رجوع کرتے ہیں +

غرض یہ ہے کہ خدا نے لوگوں کو جس مذہب کے ماننے کی ہدایت کی۔ وہ مذہب عمل و کوشش کی تاکید اور مفید اور معقول اصولوں کی تعلیم دیتا ہے۔ اور تمام مذاہب کے باہمی اختلافات اور قیود سے آزاد ہے۔ اس میں ایسی وسعت پائی جاتی ہے۔ کہ دنیا کے سب مختلف مذاہب اس میں مل کر اپنے جداگانہ تعین کو مٹا سکتے ہیں۔ اور اس وسیع مذہب کے فطری اصول تمام دیگر مذاہب کے اصلی ارکان ہیں۔ اور اگر ہم تمام مذاہب عظیمہ کے اصولوں پر سے وہ پردے اُتار دیں۔ جو ان مذاہب کے علماء نے ان پر ڈال رکھے ہیں۔ تو اخیر میں جو اصول نکلیں گے۔ وہ مذہب اسلام کے فطری اصول ہونگے۔ اسلام کی اس جامعیت اور وسعت کے اعتبار سے اُس کا نام قرآن شریف میں دین قیّم اور دین حنیفی رکھا گیا +

دین قیم سے مُراد وہ مذہب ہے۔ جو قائم و دائم ہو۔ اور قائم و دائم مذہب وہی ہوسکتا ہے۔ جو راست ہو۔ اور راست مذہب وہ ہوسکتا ہے۔ جو تمام مذاہب کی مشترک حقیقت ہو۔ اس لئے کہ سچائی ہمیشہ مشترک ہوتی ہے +
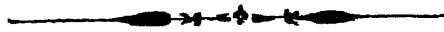
دین حنیفی

حنیف کے معنی لغت میں منقطع اور رہنے کے ہیں قرآن مجید میں متعدد جگہ حضرت ابراہیمؑ کو اس لئے حنیف کہا گیا کہ وہ تمام باطل عقائد سے روگردان ہوکر واحد خدا کی پرستش کرتے تھے۔ اسی طرح اس مذہب کو جس میں عام مذاہب اور اقوام کے باہمی اختلافی عقائد سے قطع نظر کرکے مشترک صداقت پر ایمان لانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ دین حنیفی کہتے ہیں۔ فرمایا:-

فاقم وجہک للدین حنیفا۔ تمام اختلافات کو چھوڑ کر مذہب کی جانب اپنا منہ کر

حنیفی شو ز ہر قید و مذاہب	در آ در دیر دین مانند راہب
ہر قید اور مذہب سے آزاد ہو	اور دین کے عبادتخانہ میں راہب کیطرح داخل ہو

چونکہ خدا ایک ہے۔ نوع انسانی ایک ہے۔ اس لئے مذہب بھی ایک ہے جو مذاہب عالم کے اختلافات سے مبرا ہے۔ اور وہی حنیفی مذہب ہے۔

زانکہ خود ممدوح جز یک بیش نیست	کیشہا زیں روئے جز یک کیش نیست
چونکہ ممدوح ایک سے زیادہ نہیں	اس لئے مذہب بھی ایک سے زیادہ نہیں (مثنوی دفتر ۳)

پس وہ مذہب جو تمام افراد انسانی کا مشترک اور واحد مذہب ہے۔ اور تمام اختلافات سے پاک اور مشترک صداقتوں کا وسیع خزانہ ہے۔ اس کا نام اسلام ہے۔ اگر قرآن شریف کی بعض آیتوں کے پڑھنے سے یہ شبہ پیدا ہو۔ کہ دین حنیفی ابراہیمی مذہب ہے۔ اور اس کی ابتدا حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ہوئی تھی۔ تو یہ شبہ غلط ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مذہب خود اسلام تھا۔ قرآن شریف میں مذکور ہے:-

مَا كَانَ اِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ پ۳ - العمران - ع۱۶

ابراہیمؑ نہ یہودی تھے - اور نہ عیسائی - لیکن مختلف خیالات ومذاہب کو چھوڑ کر واحد خدا کو ماننے والے تھے - اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے ؛

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ پ۱ - سورۃ بقرہ - ع۱۶ ؛

اے پیغمبر اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ - تو ہدایت پاؤ گے - اُن سے کہدو کہ ہم تو ابراہیمی مذہب کے پیرو ہیں جو واحد خدا کے دلدادہ تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے -

چونکہ حضرت ابراہیمؑ مختلف باطل خیالات کو چھوڑ کر واحد خدا کی پرستش کرتے تھے - اس لئے ان کو حنیف کہا جاتا تھا - ورنہ حنیف کا لفظ حضرت ابراہیمؑ سے مخصوص نہیں +

لفظ حنیف کے معنی

حنیف کے معنی لغت میں مستقیم اور سلیم کے ہیں - چنانچہ عربی زبان میں لنگڑے کو نیک فال کے طور پر احنف کہتے ہیں[۱] +

محمد بن کعب قرظی کا قول ہے :-

كُلُّ مَنْ اَسْلَمَ لِلّٰهِ وَلَمْ يَنْحَرِفْ عَنْهُ فِي شَيْءٍ فَهُوَ حَنِيفٌ

ہر شخص جس نے اپنا آپ خدا کے سپرد کر دیا اور کسی چیز کے متعلق اس نے انحراف نہ کیا وہ حنیف ہے ؛

مجاہد کہتے ہیں کہ جو شخص سچائی کا پیرو ہے - وہ حنیف ہے ؛

اصم آیت مذکور کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں :-

بل نتبع ملة ابراهيم التي هي التوحيد ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں اور وہ توحید ہے ؛

قفال کے نزدیک ہر مسلم حنیف ہے +

---

[۱] تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۵۰۲ +

قرآن شریف میں توحید باری کے ماننے والوں اور شرک نہ کرنے والوں اور تمام خدا پرستوں کو حنیف کہا گیا - فرمایا:-

حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ پ۱۷ - حج - ع۴

واحد خدا کے ہو رہنے والوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانے والوں (کی نجات ہے) اور جو شخص خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے - تو وہ ایسا ہے - جیسا کہ کوئی آسمان سے گر پڑا - اور پھر اسے پرندے اچک لیں - یا اسے کسی دور مقام پر ہوا اڑا لے جائے۔

قرآن شریف میں بعض جگہ دین حنیف کے ساتھ دین قیم (راست مذہب) اور دین قیم کے ساتھ فطرۃ اللہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں - جس سے ان تین چیزوں کے مترادف ہونے کی جانب اشارہ ہے - فرمایا:-

دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ پ انعام ع

راست دین یعنی ابراہیم کا مذہب جو ایک خدا کے ہو رہے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اسلام کو ملت ابراہیمی کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے - کہ یہودی، عیسائی آپس میں مختلف تھے - لیکن ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پابند بیان کرتا تھا - قرآن شریف نے ان کو بتایا - کہ اگر تم عقل و استدلال سے کام لینا چاہتے ہو - تو اسلام کو راست مذہب ماننے کے بدون چارہ نہیں - اور اگر تقلید کے رو سے مذہب اختیار کرنا چاہتے ہو - تب بھی اسلام پر ایمان لانا ضروری ہے - اس لئے کہ تم دین ابراہیمی کے مقلد کہلاتے ہو - اور ابراہیم مسلم اور توحید پرست تھے۔ تثلیث یا تشبیہ کے قائل نہ تھے - پس صحیح معنی میں اسلام ہی کو ابراہیمی دین کہہ سکتے ہیں۔

آج جس طرح یہودی - عیسائی اور دوسری قومیں کہتی ہیں کہ ہم خدا کے مقرب اور

نجات یافتہ ہیں۔ اور ان کے مذاہب کے سوا دوسرے مذاہب باطل ہیں۔ یہ قومیں زمانہ نزول قرآن میں بھی اسی طرح کہتی تھیں اور صداقت کے مشترک اصول یا مذہب یعنی اسلام کو نظر انداز کرتی تھیں۔ اس پر فرمایا:۔

قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ پ ۱ ۔ سورہ بقرہ ۔ ع ۱۳

اہل کتاب کہتے ہیں کہ بہشت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہ اُن کی آرزوئیں ہیں۔ ان سے کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اس دعوی پر دلیل ہو۔ جس شخص نے اپنے آپ خدا کے سپرد کر دیا اور اسلام لایا وہ نیکوکار ہے۔ اس کے لئے اپنے پروردگار کے حضور سے اجر ہے اور ایسے لوگوں پر نہ خوف ہے اور نہ غم۔

قرآن نے اسلام کے مشترک صداقت ہونے کا نہ صرف ذکر کیا۔ بلکہ اس کی جانب دوسری اقوام کو دعوت دی۔ فرمایا:۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ پ ۳ آل عمران ع ۷

اے پیغمبر اہل کتاب سے کہدو کہ تم اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا آقا نہ سمجھے۔ اگر وہ اس سے روگردانی کریں تو ان سے کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں یعنی خدا کے ماننے والے ہیں۔

پہلا سوال تمام انبیاء کے متحد المذاہب ہونے کے متعلق تھا۔ جس کا جواب اوپر بیان کیا گیا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر سب انبیاء کا مذہب متحد تھا۔ تو مذاہب میں

اختلاف موجود نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب ذیل میں دیا جاتا ہے۔

اختلاف مذاہب کے اسباب

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مذاہب اصلی اُصول کے لحاظ سے مختلف نہیں ہیں جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ محض فروع میں یا اصولِ مذاہب کی عملی صورت میں ہے۔ یا جہاں کہیں اصولوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو وہ علماء کے لیے جا تصرف کا نتیجہ ہے۔ جس سے مذہب کے اصلی اصولوں کی شکل میں تبدیلی پیدا کر دی گئی۔ ہم ذیل میں ان چند اسباب کا ذکر کرتے ہیں۔ جن سے مذاہب میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہیں:۔

علماء کی نفسانیت

مذہبی پیشواؤں اور عالموں نے نفسانیت اور ذاتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں مذہب کے ذریعہ سے فساد پھیلانے کی کوشش کی۔ اور مذہب کی صورت تبدیل کر کے اسے ہر طرح سے اپنی مطلب برآری کا ایک آلہ بنا لیا۔

قرآن شریف کی اکثر آیتوں میں اس اختلاف کا سبب احبار و رہبان کی تحریف و تبدیل اور لوگوں کا بغی و فساد بیان کیا گیا۔ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ ط پ۲۔ بقرہ ع۵۔

جو لوگ خدا کی نازل کردہ کتاب کی آیتوں کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض تھوڑا سا مول لے لیتے ہیں۔ وہ اپنے شکم کو آگ سے پُر کر لیتے ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ۔ پ۲۵ شوریٰ ع۳

اور یہ لوگ علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد و بغی سے علیحدہ علیحدہ فرقے ہو گئے ہیں۔

ہفتاد و دو فریق حسد کے عدد سے ہیں   اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

ابن مسعود رضؓ کہتے ہیں۔ کہ رسولؐ خداؐ نے فرمایا:۔

ما من نبی بعثہ اللہ فی امۃ قبلی الا کان فی امتہ حواریون واصحاب یأخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انھا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون و یفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل (صحیح بخاری)

کوئی ایسا نبی نہیں گذرا۔ جس کو خدا نے مجھ سے پہلے اپنی قوم میں پیدا کیا ہو۔ اور اس قوم میں ہی اس کے حواری اور دوست نہ ہوں جو اس کے طریقے کو اخذ کریں اور اس کے حکم کی پیروی کریں۔ لیکن ان انبیاء کے پیچھے ایسے لوگ آتے ہیں جو کہتے ہیں وہ نہیں کرتے۔ اور جو کرتے ہیں اس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا۔ پس جو ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرے۔ وہ مومن ہے۔ اور جو شخص ان کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر ایمان نہیں۔

قومی رواجات میں اختلاف

دوسرا

اختلاف مذاہب کا دوسرا سبب یہ ہے کہ پیغمبر اور ہادی جس قوم میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اس قوم کے معاملات اور عادات پر غور کرتے ہیں۔ اگر یہ مناسب اور جائز ہوں تو وہ ان امور کی تاکید کر دیتے ہیں۔ اگر ان میں کسی قسم کا اخلاقی نقص پایا جائے تو وہ اس کی اصلاح کر دیتے ہیں۔ آج کل کی مہذب سلطنتیں بھی جب کسی قوم یا ملک میں کوئی قانون نافذ کرتی ہیں تو ان کے رواجات اور سابقہ دستوروں کو مدنظر رکھتی ہیں۔ چونکہ دنیا کی قوموں کے رواج مختلف تھے اس لئے جو انبیاء مختلف ممالک اور مختلف اقوام میں پیدا ہوئے ان کی اصلاحیں بھی ان رواجوں کے مطابق مختلف تھیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مذہب یا شریعت کا

وہ حصہ جس میں اس قسم کے اصلاحی احکام شامل ہیں۔ دوسرے مذہبوں اور شریعتوں سے مختلف ہو گیا۔ اور اس طرح پر وہ مذہب دیگر مذاہب سے مختلف نظر آنے لگا۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ۔ اور فوز الکبیر میں اختلاف شرائع کا ایک سبب یہی لکھا ہے۔ جو ہم نے اوپر بیان کیا وہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

اذ الشرع انما هو صلاح ما عندهم لا تكليفهم بما لا يعرفونه اصلاً[1]۔

شریعت محض اس چیز کی اصلاح کرتی ہے جو لوگوں کے پاس موجود ہوتی ہے وہ ان کو ایسے امر کی تکلیف نہیں دیتی جس سے محض ناآشنا ہیں؛

فوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ اختلاف شرائع کی مثال ایسی ہے۔ جیسا کہ ایک طبیب دو بیماروں کا علاج کرے۔ اور ان میں سے ایک بیمار کو سرد دوا اور غذا۔ اور دوسرے کو گرم دوا اور غذا دے۔ طبیب ایک ہی ہے۔ لیکن ہر بیمار اور اس کے ملک کے عادات اور موسم کے لحاظ سے دوا و غذا مختلف دی جاتی ہے۔ لیکن طبیب کی غرض دونوں صورتوں میں طبیعت کی اصلاح اور مفسد مادہ کو زائل کرنا ہے۔ ایسا ہی حکیم حقیقی نے اقوام عالم کے عادات و مسلمات کی مختلف طریقوں سے اصلاح کی۔ شاہ صاحب کی اصلی عبارت یہ ہے:۔

وتذکیر بآلاء اللہ و بایام اللہ نیز بہمان اسلوب می شود۔ کہ درمیان ایشان شائع باشد و بداں آشنا شدہ باشند۔ پس بسبب این نکتہ شرائع انبیاء مختلف شدہ و مثل این اختلاف اختلاف حکم۔ طبیب است۔ چوں تدبیر دو بیمار کند۔ یکے را دوائے سرد دہد و غذائے بارد وصف کند و دیگرے را دوائے حار و غذائے حار امر نماید۔ و غرض طبیب در ہر دو جا یکے است و آن اصلاح طبع و ازالہ مفسد لا غیر و باشد کہ در ہر

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۲۔

اقلیمے دوا وغذا علیحدہ وصف کند۔ بحسب عادات آن اقلیم و در ہر فصلے تدبیرے دیگر اختیار نماید بحسب طبع آن فصل ہمچنان حکیم حقیقی جل مجدہ چون خواست کہ آن بیماران امراض نفسانی را معالجہ نماید و تقویت طبع قوت ملکیہ و ازالہ مفسدان ایجاد فرماید بحسب اختلاف اقوام وعادات ومشہورات ومسلمات ہر عصر آن معالجہ مختلف شد[1]

غیر مذہبی مسائل کا الحاق

تیسرا

مذاہب کے اختلاف کا تیسرا سبب یہ ہے کہ جن مسائل کا مذہب سے کچھ تعلق نہیں یا بہت کم تعلق ہے۔ ان کو مذہب کے اصولوں میں داخل کر دیا گیا۔ اور اس طرح مذہب کے قانون اصلی اور اضافی میں جو فرق تھا اس کو دُور کر دیا گیا۔ علماء مذاہب کی اس غلطی نے مذاہب میں بہت بڑا اختلاف پیدا کر دیا۔ ہم اس سبب کی تفصیل اس کتاب کی آٹھویں جلد میں بیان کریں گے ؛

قومی امزجہ میں اختلاف

چوتھا

چوتھا سبب یہ ہے کہ خدا کے وہ نیک بندے جو دنیا میں پاکیزہ اخلاقی اصولوں اور مذہب کی اشاعت اور اس کی بنیاد کو مستحکم کرنے کے لئے خاص خاص قوموں اور ملکوں میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نبی۔ رسول۔ پیغمبر۔ ہادی۔ شارع کہلاتے ہیں۔ اور یہ انبیاء اس قوم کے مزاج یا ملک کے حالات اور طریق معاشرت کو جس میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ مدنظر رکھتے تھے۔ چونکہ ہر قوم اور ہر ملک کے فوائد اور مصالح جداگانہ تھے۔ اس لئے انبیاء نے امور مذکورہ کو مدنظر رکھ کر مختلف احکام و آداب کی ہدایت کی ؛

شاہ ولی اللہ صاحب رح نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔

[1] فوز الکبیر صفحہ ۱ مجتبائی دہلی ؛

وہ لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہیئے کہ انبیاء کی شریعتوں میں چند اسباب اور مصلحتوں کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور ان میں سے ایک سبب یہ ہے۔ کہ احکام مذہبی کے تقرر میں ان لوگوں کے حالات وعادات کو جو احکام مذکور کے مکلف ہیں۔ مد نظر رکھا جاتا ہے۔ چونکہ نوح ؑ کی قوم کا مزاج نہایت قوی اور سخت تھا۔ جیسا کہ خدا نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اس لئے اس قوم کے لوگوں کو ہمیشہ روزہ رکھنے کی تاکید کی گئی۔ تا کہ اس سے ان کی قوت بہیمی کے غلبہ کا مقابلہ ہو سکے۔ امت محمدیہ کے مزاج کمزور تھے۔ اس لئے ان کو ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کیا گیا۔ اسی طرح شریعتوں میں ان علوم کا جو قوم میں مخزون ہیں اور ان عقائد کا جو قوم میں مضمر ہیں۔ اور ان احادیث کا جو اس قوم میں جاری وساری ہیں۔ لحاظ واعتبار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام تھا۔ اور بنی اسمٰعیل پر جائز ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ کھانوں میں پاک وناپاک کا امتیاز عرب کے عادات اور مذاق پر منحصر تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ ہمشیرہ زادیوں سے نکاح کرنا امت محمدیہ پر حرام کیا گیا۔ اور یہود کے لئے جائز ہے۔ اس لئے کہ یہود ہمشیرہ زادیوں کو ان کے باپ کی قوم سے شمار کرتے تھے۔ ان سے کسی طرح کا میل ملاپ اور ربط وصحبت نہیں رکھتے تھے۔ وہ ان کے نزدیک اجنبی عورت کی سی ہوتی تھی بخلاف عرب کے کہ ان میں یہ رسم نہ تھی[1]

یہ مسئلہ کہ قومی خصوصیات یا روایات یا عادات کس طرح پر رفتہ رفتہ قائم ہوتے ہیں علم تاریخ سے متعلق ہے۔

مثال کے طور پر دیکھو کہ بنی اسرائیل میں اونٹ کی حرمت کا رواج کس طرح پیدا ہوا۔ **حضرت یعقوب** علیہ السلام جن کا عبرانی زبان میں **اسرائیل** نام تھا۔ ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گئے۔ انہوں نے منت مانی کہ اگر خدا مجھ کو تندرست کر دے تو میں مرغوب ترین چیز کو اپنے اوپر حرام کرلوں گا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ان کو

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۸۸۔

صحت ہوگئی۔ تب انہوں نے ایفاء نذر کے لئے اونٹ اور اونٹنیوں کا گوشت اور
دودھ جوان کو نہایت مرغوب تھا۔ اپنے اوپر حرام کرلیا۔ اور ایک مدت تک ان کی قوم
میں اس حرمت کا رواج رہا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی ساری قوم کے دل میں
اونٹ کی حرمت کا عقیدہ پختہ طور پر جاگزیں ہوگیا۔ اور یہ قرار پایا کہ جو شخص اونٹ
یا اونٹنی کا گوشت کھائے گا۔ وہ انبیاء کی مخالفت کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔
اور تورات میں بھی اس کی حرمت نازل ہوئی۔ لیکن جب رسول خدا صلعم مبعوث
ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں کوئی نیا مذہب نہیں لایا۔ پرانے ابراہیمی دین کی
تعلیم دیتا ہوں۔ اس پر یہود کہنے لگے۔ کہ آپ دین ابراہیمی کے پیرو نہیں ہیں
آپ تو اونٹ کے گوشت کو حلال سمجھتے ہیں۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ کہ حقیقت
میں سب کھانے حلال تھے۔ اونٹ کی حرمت عارضی تھی۔ اور جب نبوت بنی اسمٰعیل
میں منتقل ہوگئی۔ تو بنی اسمٰعیل کو اونٹ کی حرمت کے اس سبب سے جو بنی اسرائیل سے
مخصوص تھا۔ کچھ سروکار نہیں رہا[1]۔

قرآن شریف میں مذکور ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ پ ۴ آل عمران ع ۲

سب کھانے کی چیزیں نزول تورات سے پہلے بنی اسرائیل پر حلال تھیں بجز اس کے جو اسرائیل
(یعقوبؑ) نے اپنے اوپر خود حرام کرلی تھیں۔ کہدو کہ اگر صداقت کا دعویٰ ہے تو تورات لاکر پڑھو

مختصر یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں اور نکاح اور معاشرت کے طریقوں اور
اصول مذہب کی عملی صورتوں میں چند اسباب مذکورہ کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوگیا
اور اگر تمام مذاہب کے اصولوں کی تحلیل کی جائے تو ان کے آخری اجزاء اور بنیادی
اصول وہی نکلیں گے جن کو ہم اسلامی اصول کہتے ہیں۔ اور صداقت کا وہ قدر

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۷ ۸ ۷

مشترک جو سب مذہبوں میں بالاشتراک پایا جاتا ہے۔ اور جس کی صحت پر تمام اہل مذاہب اور اہل عقل کو اتفاق ہے۔ اسلام ثابت ہوگا۔ اور حقیقت میں یہی وہ برحق مذہب ہے جس پر ہر انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔ اور جس کے اصول کسی نہ کسی تبدیل شدہ شکل کے ساتھ تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ تبدیلی ان مذاہب کے علماء یا پیرووں نے نفسانیت کی وجہ سے پیدا کر دی ہے جن سے مذاہب عالم میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اسلام کے خالص اصولوں میں انسانی خیالات کی آمیزش ہو گئی۔ اور قدرت نے اس اختلاف اور آمیزش کو رفع کرنے کے لئے انبیاء کی ہدایت و تلقین کا سلسلہ قائم کیا۔ قرآن شریف میں جا بجا رسول خدا صلعم اور دیگر انبیاء سابقین کی بعثت کی غرض یہی بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کے مذہبی اختلاف کو رفع کرتے ہیں۔ اور ان کو اصلی مذہب فطری کے اصولوں پر کاربند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مذاہب کی اصلی تعلیم مخلوط ہو چکی ہے لیکن با ایں ہمہ ان میں صداقت موجود ہے۔ اس سے نتیجہ نکالنا کہ تمام مذاہب باطل ہیں۔ ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ موجودہ صورت میں تمام مذاہب حق ہیں۔

مولانا روم رح فرماتے ہیں:۔

پس مگو ایں جملہ دین ہا باطل اند — باطلاں بر بوئے حق دام دل اند

پس مگو جملہ خیال ست و ضلال — بے حقیقت نیست در عالم خیال

حق شب قدر ست در شبہا نہاں — تا کند جاں ہر شبے را امتحان

درمیان دلق پوشاں یک فقیر — امتحاں کن و آنکہ حق ست آں بگیر

مومن کیّس ممیّز کو کہ تا — باز داند پادشا را از گدا

گر نہ معیوبات باشد در جہاں — تاجراں باشند جملہ ابلہاں

آنکہ گوید جملہ حق ست ابلہی ست — و آنکہ گوید جملہ باطل آں شقی ست

این وعید و وعدہ ہا انگیختست | بہر اینکہ نیک و بد آمیختست
چونکہ حق و باطلی آمیختند | نقد و قلب اندر چرمدان ریختند
پس محک مے بایدش بگزیدۂ | در حقائق امتحاں ہا دیدۂ
تا شود فاروق این تزویرہا | تا بود دستور این تدبیرہا (دفتر ۲۔ مثنوی)

اشعار مذکورہ کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں اچھی اور بری چیزیں ملی جلی ہیں۔ خرقہ سب فقیر پہنتے ہیں۔ لیکن ان میں خدا رسیدہ فقیر امتحان سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر عالم میں معیوب چیزوں کا امتحان نہ ہوتا۔ تو ہر احمق آدمی تاجر بن جاتا۔ پس جو شخص تمام مذاہب کو حق کہے وہ بے وقوف ہے۔ اور اگر سب کو باطل کہے تو شقی ہے۔ بے شبہ باطل چیزیں سچائی کے خیال پر دل کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ اور یہ میلان بجائے خود اس امر کی دلیل ہے۔ کہ سچائی کا مستقل وجود ہے۔ لیکن دنیا میں حق و باطل اور کھرا کھوٹا مخلوط پایا جاتا ہے۔ اس لئے کسوٹی کی ضرورت ہے جس سے ان میں تمیز کی جاسکے۔ مذاہب میں بھی حق و باطل مخلوط ہیں۔ اس لئے مذاہب کے حق و باطل کو ایک دوسرے سے متمیز کرنے کے لئے ایسا معیار چاہیئے۔ جس پر مذاہب کی تنقید کی جاسکے۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے مذاہب کی تنقید ان آٹھ معیاروں پر کی جاسکتی ہے جو اس کتاب کے شروع میں مذکور ہیں۔

پہلا سوال انبیاء کے اتحاد مذاہب اور دوسرا اختلاف مذاہب کے اسباب کے متعلق تھا۔ ان دونوں سوالوں کی نسبت مفصل بحث ہو چکی۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اس متحد مذہب کے جس کی تعلیم کو شائع کرنا تمام انبیاء کا مشترک مشن تھا۔ اصول کون سے ہیں۔ اس سوال کا جواب ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

الہامی اسلام کے چودہ ۱۴ ابدی اصول

یہ امر ثبوت کا محتاج نہیں۔ کہ اگر حکیم یا فلاسفر یا مقنن کسی اخلاقی اصول کو بڑے غور و فکر اور محنت و تجربہ کے بعد دریافت کرتا ہے۔ تو روشن ضمیر ملہم اسے تامل اور غور و فکر کے بدون معلوم کر لیتا ہے۔ اور جو عقلی اصول الہام کے ذریعہ سے دریافت کئے جاتے ہیں۔ وہ الہامی کہلاتے ہیں۔ انبیاء کے الہامی کلام پر غور کرنے سے ان کے الہامی اصولوں کی تعداد چودہ ثابت ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) خدا سے شرک نہ کرو۔
(۲) بت پرستی نہ کرو۔ اور خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
(۳) خدا کا نام بے فائدہ طور پر قسموں وغیرہ کے لئے استعمال نہ کرو۔
(۴) ماں باپ کی عزت کرو۔
(۵) قتل ناحق نہ کرو۔
(۶) زنا نہ کرو۔
(۷) چوری نہ کرو۔
(۸) جھوٹی گواہی نہ دو۔
(۹) پڑوسی کے حقوق کا لحاظ رکھو۔
(۱۰) سچ بولو۔
(۱۱) مخلوق خدا سے احسان کرو۔ اور کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ۔
(۱۲) عدل و انصاف سے کام لو۔ ظلم نہ کرو۔
(۱۳) جہالت سے بچو۔

(۱۴) بیہودہ باتوں سے پرہیز کرو۔

حضرت موسیٰؑ کے احکام جو کتاب خروج باب ۲۰ میں مذکور ہیں۔ اصول مندرجہ بالا میں شامل ہیں۔ لیکن تعظیم سبت کا حکم ان سے خارج ہے۔ کیونکہ وہ حکم بنی اسرائیل کی قوم سے مخصوص تھا۔ اس لئے اسے ابدی نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن شریف چونکہ اسلام کی مکمل کتاب ہے۔ اس لئے اس میں الہامی اسلام کے مذکورہ بالا ابدی اصول تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

پہلا اصول شرک سے احتراز اسلام نے قرآن شریف میں شرک کی ممانعت کی۔ اور حکم دیا۔ کہ خدا کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ شرک توحید باری کے عقیدہ سے متناقض اور ظلم عظیم ہے۔ فرمایا:۔

(۱) اذ قال لقمان لابنه وهو يعظه يا بني لا تشرك بالله ان الشرك لظلم عظیم ○ پ۲۱۔ لقمان۔ ع ۱۲۔

جب لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے! خدا سے شرک نہ کرنا۔ بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔

(۲) فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ پ۱۔ بقرہ۔ ع۳۔

تم خدا کے شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔ (کہ وہ واحد ہے)۔

(۳) وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ○ پ۵۔ نساء۔ ع۷۔

جس شخص نے خدا سے شرک کیا۔ اس نے خدا پر گناہ عظیم کا بہتان باندھا۔

(۴) قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ پ۸۔ انعام ع

اے پیغمبر کہدو کہ مجھے میرے پروردگار نے ایسی راہ راست دکھائی جو صحیح مذہب ہے۔

یہی ابراہیمؑ کا مذہب ہے جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔
اے پیغمبر کہدو کہ میری نماز اور عبادت اور جینا اور مرنا اس خدا کے لئے ہے جو سارے
جہان کا پروردگار ہے اور مجھ کو ایسا ہی حکم کیا ہے اور میں خدا کے ماننے والوں میں سے
پہلا ماننے والا ہوں۔

اِن آیتوں کے علاوہ قرآن مجید کی بیشمار آیتوں میں توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید بیان کیگئی ہے۔

دوسرا اُصُول۔ مخلوق پرستی کی ممانعت اسلام نے خدا کے سوا کسی اور مخلوق کی پرستش
جائز قرار نہیں دی۔ فرمایا:۔

(۱) وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ پ توبہ ع
ان کو حکم دیا گیا کہ وہ واحد خدا کے سوا اور کسی چیز کی پرستش نہ کریں۔ خدا کے سوا اور کوئی
لائق پرستش نہیں۔ اور مشرکوں کے شرک سے پاک ہے۔

(۲) وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ
فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ پ انعام۔ ع
اور اگر خدا تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو خدا کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور
اگر وہ تجھے فائدہ پہنچائے تو وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

(۳) اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ
قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ پ حم السجدہ ع
جب منکروں کے پہلے اور پچھلے رسول آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ خدا کے سوا اور کسی معبود کی
پرستش نہ کرو تو منکر کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار چاہتا تو ہم پر فرشتے نازل فرماتا۔ تم جو چیز دے
کر بھیجے گئے ہو۔ اس سے تو ہم انکار کرتے ہیں۔

(۴) اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ
اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا
بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ○ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ
وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ○ پ انبیاء۔ ع

جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ کیا یہ مورتیں ہیں جن کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہو۔ تو وہ کہنے لگے۔ کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ تم اور تمہارے بڑے کھلی گمراہی میں تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم کوئی سچی بات لائے ہو۔ یا ہنسی کی بات کرتے ہو۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ تمہارا پروردگار تو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا کیا۔ اور میں اس کا گواہ ہوں ؎

تیسرا اصول۔ قسم کھانے سے احتراز | عام لوگوں کی عادت ہے۔ کہ خدا کا نام قسم وغیرہ کے لئے بیفائدہ طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسلام نے اس سے منع فرمایا۔ اور حکم دیا:۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ۔ پ۲۔ بقرۃ۔ ع ۲؎

خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ ؎

چوتھا اصول۔ ماں باپ کی تعظیم | اسلام نے ماں باپ سے حسن سلوک کی تاکید فرمائی اور بتایا کہ ہر طرح سے ان کے ادب و تعظیم کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ فرمایا:۔

(۱) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ پ۱۵ بنی اسرائیل ع۳

تیرے خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی معبود کی پرستش نہ کرو۔ اور ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑی عمر کے ہو جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو۔ اور ان کے ساتھ پسندیدہ کلام کرو اور مہربانی سے زانوئے ادب ان کیلئے تہ کرو۔ اور کہو کہ اے پروردگار ان دونوں پر ایسا رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں پرورش کیا تھا

دوسری جگہ مذکور ہے:۔

(۲) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ پ۲۰۔ عنکبوت۔ ع۱؎

کہ ہم نے انسان کو ماں باپ سے حسن سلوک کی نصیحت کی ہے۔

پانچواں اصول۔ قتل ناحق کی ممانعت | اسلام نے کسی شخص کے قتل کر دینے کو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ گناہِ عظیم قرار دیا۔ فرمایا:۔

(۱) كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ

فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً۔ پ ۶ مائدہ ع
ہم نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ جو شخص کسی کی جان کو جان کے بدلے کے سوا یا ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے بدون مار ڈالے تو اس نے تمام انسانوں کو مار ڈالا۔ اور جس نے اس کو مارے جانے سے بچا لیا۔ اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا *

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا ○ پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ع
اور کسی کی جان کو جس کا مارنا خدا نے منع کر دیا ہے۔ ناحق قتل نہ کرو۔ اور جو شخص ظلم کے رُو سے مارا جائے تو ہم نے مقتول کے وارث کو بدلہ لینے کا مجاز کیا ہے۔ مگر اس کو قصاص خون میں زیادتی سے کام نہ لینا چاہیئے۔ اس کی اسی میں کامیابی ہے *

چھٹا اصول۔ زنا کی ممانعت | اسلام نے لوگوں کو زنا سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا۔ اور حکم دیا:۔

(۱) ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا ○ پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ع
کہ زنا کے قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ وہ بے حیائی اور بد چلنی ہے *

(۲) ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما۔ پ ۱۹۔ فرقان۔ ع *
نیک بندے کسی جان کو جس کا مارنا خدا نے حرام کر دیا ہے۔ ناحق قتل نہیں کرتے۔ اور نہ زنا ہی کرتے ہیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا وہ گناہ کی سزا پائے گا *

موخر الذکر آیت کی تفسیر حدیث ذیل میں بیان کی گئی۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانا۔ اُس نے پوچھا۔ اس کے بعد گناہ کا درجہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ افلاس کے ڈر سے قتل اولاد۔ اس نے پوچھا کہ اس کے بعد کس گناہ کا درجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان تزنی حلیلۃ جارک کہ تو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے *

ساتواں اصول۔ چوری کی ممانعت | اسلام نے چوری اور رہزنی کو فساداً فی الارض

(زمین پر فساد کرنے) اور اکل بالباطل (باطل طور پر کسی کا مال کھانے) میں شامل کیا۔ اور اس کی بڑی سختی کے ساتھ ممانعت کی۔ فرمایا:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ ط پ۵ سورہ نساء ع۵۔

مسلمانو ایکدوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو۔ مگر تجارت سے باہمی رضامندی کے ساتھ کوئی مال حاصل ہو تو جائز ہے۔

اس ممانعت کے علاوہ قرآن شریف میں چوری کے جرم کی سخت ترین سزا مقرر کی گئی۔

آٹھواں اصول جھوٹی گواہی کی ممانعت اسلام نے جھوٹی گواہی دینے اور سچی گواہی کے چھپانے سے منع کیا۔ فرمایا:۔

(۱) وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ پ۱۹۔ فرقان۔ ع۶۔

نیک لوگ وہ ہیں۔ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

(۲) وَلَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَۃَ وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ پ۳ بقرہ ع
اور شہادت کو نہ چھپاؤ۔ جو شخص اسے چھپاتا ہے بیشک اس کا دل گناہگار ہے۔ اور اور خدا تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

نواں اصول ہمسایہ کے حقوق کی حفاظت اسلام نے ہمسایہ کے حقوق کی حفاظت کی خاص تاکید فرمائی۔ اور حکم دیا:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ پ۵ نساء ع۳۔

خدا کی پرستش کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ اور قرابتداروں اور یتیموں اور حاجتمندوں اور اجنبی ہمسایوں اور ہمنشینوں اور مسافروں سے

اور جو تمہارے تصرف میں ہیں۔ ان سے اچھا برتاؤ کرو۔ بے شک خدا اترانے والے اور فخر کرنے والے شخص کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بخل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اسکو چھپاتے ہیں۔ اور ناشکرگذاروں کے لئے ہم نے ذلت دینے والا عذاب تیار کیا ہے۔

دسواں اصول سچائی کی تاکید | اسلام نے سچ بولنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا:۔

(۱) یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ پ۱۱ توبہ ع۱۵

مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اور راست بازوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اسلام نے سچ بولنے والوں کو خدا کے نیک بندوں کے زمرہ میں شمار کیا۔ فرمایا:۔

(۲) اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ پ۳۔ آل عمران۔ ع۱۰

نیک لوگ وہ ہیں جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور خدا کی اطاعت کرنے والے اور خدا کے رستہ میں خرچ کرنے اور رات کے اخیر حصوں میں خدا سے بخشش طلب کرنے والے ہیں۔

(۳) اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ○ پ۲۲۔ احزاب ع۲

بے شک خدا نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں اور خدا کے فرمانبردار مردوں اور خدا کی فرمانبردار عورتوں اور سچ بولنے والے مردوں اور سچ بولنے والی عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں اور خشوع کرنے والے مردوں اور خشوع کرنے والی عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں اور پاکباز مردوں اور پاکباز عورتوں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مردوں اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتوں کے لئے بخشش اور بہت بڑا بدلہ مہیا کر رکھا ہے۔

گیارھواں اُصول - عام لوگوں سے حسن سلوک کا حکم اسلام نے بلا امتیاز قوم و مذہب تمام بندگان خدا سے حسن سلوک کا حکم دیا - فرمایا :-

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا - پ۱ - بقرہ - ع۱۰

نوعی بھائیوں سے حسن سلوک کی باتیں کیا کرو۔

ناس کے لفظ میں مسلم - غیر مسلم - نیک و بد - دوست - دشمن سب شامل ہیں - اور آیت مذکورہ میں ان سب کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ؛

بارھواں اُصول - عدل و انصاف کی تاکید اسلام نے عدل سے کام لینے کی اثباتی اور سلبی دونوں طریق سے تاکید کی ؛

اثباتی طریق یہ ہے - کہ عدل کرو۔

سلبی طریق یہ ہے - کہ ظلم نہ کرو۔

دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے - مزید تاکید کے لئے قرآن شریف میں اثباتی اور سلبی دونوں طریقے اختیار کئے گئے - اور لوگوں کو ہر معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لینے کی ہدایت کی گئی - فرمایا :-

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○ پ۶ مائدہ ع۶

اور اگر تجھ کو منصف مانیں - تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو - بیشک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ؛

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ پ۲۵ - شوریٰ - ع۴

کچھ شبہ نہیں کہ مواخذہ ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں - یہی وہ لوگ ہیں - جن کے لئے رنج دینے والا عذاب ہے ؛

وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○ پ۲۹ - سورہ دہر - ع۱

اور ظلم کرنے والوں کے لئے خدا نے درد دینے والا عذاب تیار کیا ہے ؛

مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن   کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست
حافظ

تیرھواں[۱۳] اصول۔ جہالت سے احتراز | اسلام نے تمام اشخاص کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ اور جہالت سے جو علم کی ضد ہے۔ نفرت دلائی ہے۔ فرمایا۔

(۱) هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ○ پ۲۳۔ زمر۔ ع۱۵ ؎

کیا اہلِ علم اور بے علم دونوں برابر ہیں۔ کچھ شبہ نہیں کہ صاحبانِ دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ؎

(۲) فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجٰهِلِينَ ○ پ۔ انعام۔ ع ؎

اے پیغمبر جاہلوں سے مت بن ؎

چودھواں[۱۴] اصول۔ بیہودہ باتوں سے اجتناب | اسلام نے مضر اور بیہودہ باتوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:۔

هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ○ جب بیہودہ باتوں پر سے گذرتے ہیں تو کریمانہ طریق سے گذرتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اسلام کا وہ الہامی حصّہ جو مذکورہ بالا چودہ اصولوں سے مرکب ہے ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ اور یہی وہ حصّہ ہے جس کی اشاعت اور تائید مذہب کو زیادہ تر مدّنظر ہے۔ اور وہ احکام اور مسائل جن کا مختلف زمانوں اور قوموں اور مقاموں سے تعلق ہے۔ وہ مذہب کی ماہیت میں داخل نہیں۔ وہ محض فروعی ہیں۔ ان میں ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے ؎

امام رازی آیہ شرع لکم الدین کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"کہ آیت مذکورہ سے مقصود یہ ہے کہ خدا نے تمہارے لئے ایسا مذہب مقرر کیا جس کی صحت پر سب انبیاء متفق ہیں۔ میں کہتا ہوں اس قسم کا مذہب وہی ہو سکتا ہے۔ جو تکالیف و احکام سے مغائر ہو۔ اس لئے کہ مذہب کا وہ حصّہ جو احکام و تکالیف سے

متعلق ہے۔ سب قوموں میں مختلف اور متفاوت ہے۔ خدا نے فرمایا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور طریقہ جدا جدا بنا دیا مگر وہ مذہب جس کی صحت تمام انبیاء کے نزدیک مسلّم ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے امور پر مشتمل ہو جو شریعتوں اور طریقوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف نہ ہو جائے۔ اور وہ امور یہ ہیں۔ خدا اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور روز جزا پر ایمان لانا۔ اور ایمان کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ دنیا سے اعراض اور آخرت کی جانب توجہ اور اخلاق حسنہ کے حصول میں کوشش ہو۔ اور رذیل اعمال سے احتراز کیا جائے؛

آیت مذکورہ اس امر کی دلیل ہے کہ مذہب کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں تنسیخ اور تبدیل واقع نہیں ہوتا۔ اور اس حصہ کا تمام مذاہب اور ادیان میں باقی اور قائم رہنا ضروری ہے۔ مثلاً راستی اور عدل اور احسان کو پسند کرنا اور جھوٹ اور ظلم اور ایذا کو بُرا جاننا۔

دوسرا حصہ وہ ہے۔ جو شریعتوں میں اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اور مذہب دوسرے حصہ کے مقابل میں پہلے حصہ کے اثبات کیلئے بڑے اہتمام سے سعی کرتا ہے[1]

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک انسان کا فطری مذہب وہ ہے۔ جو نیکی اور بدی کے متعلق ایسے اصولوں سے مرکب ہو جو جامع اور ناقابل تبدیل ہیں فرماتے ہیں:۔

ففطرۃ فطر اللہ الناس علیہا ولن تجد لفطرۃ اللہ تبدیلا۔ ولیس ذٰلک الا فی اصول البرّ والاثم وکلیاتہا دون فروعہا وحدودہا وھذہ الفطرۃ ھو الدین الذی لا یختلف باختلاف الاعصار والانبیاء کلّہم مجمعون علیہ کما قال تبارک وتعالیٰ وان ھٰذہ امتکم امۃ واحدۃ وقال النبی صلعم الانبیاء بنو علات ابوھم واحد وامہاتھم شتّٰی۔ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۴۲

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۶۸؛

وہ فطرت جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور جس میں تم ہرگز تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔ وہ محض نیکی اور گناہ کے اصول اور اُن کے کلیہ قاعدے ہیں۔ نہ کہ ان کے فروع و حدود۔ اور یہی فطرت ایسا مذہب ہے جو کسی زمانہ میں تبدیل نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ زمانے بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس فطرت یا مذہب پر تمام انبیاء متفق ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ لوگو تم سب ایک ہی قوم ہو۔ اور رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ کہ سب انبیاء ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔ مگر ان کی مائیں مختلف ہیں۔

کیا انسان کا ابتدائی مذہب الہامی تھا؟

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ توحید اور اخلاق کے اصول جو ہمیشہ سے ناقابل تبدیل چلے آتے ہیں۔ کیا یہ الہامی ہیں۔ اور شروع زمانہ سے موجود ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ کہنا غلط ہے۔ کہ انسان کا ابتدائی مذہب فطری اور اس کے بعد عقلی اور اس کے بعد الہامی تھا۔ خاصکر جبکہ قرآن شریف سے حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے پہلے پیغمبر اور ابوالبشر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا ابتدائی مذہب الہامی تھا۔ اور وہ شروع ہی سے اس کا پیرو تھا۔ یہ شبہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ جب ہم قرآن شریف کو خدا کا کلام اور خدا کو فطرت انسانی کا خالق مانتے ہیں۔ تو کلام مذکور کا انسانی فطرت کے مطابق ہونا لازمی ہے۔

جب فطرتِ انسانی کے حالات اور حقائق اور جذبات و قوتے اور زندگی پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ترتیب و ارتقاء کا اصول ان سب پر حاوی ہے۔ انسان کی شخصی زندگی اور اُس کے قوےٰ۔ نوعی زندگی اور اس کے نشو و نما کے زمانے پیدائشی مذہب اور اس کی تصدیق کے مختلف درجے۔ ان تمام میں ترتیب موجود ہے اور یہ ترتیب بتا رہی ہے۔ کہ الہامی مذہب دفعتہً پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ارتقاء و ترتیب کے مطابق ظہور پذیر ہوا ہے۔

ہم ذیل میں انسان کی شخصی اور نوعی زندگی اور پیدائشی مذہب اور اس کی تصدیق کے متعلق مختصر بحث کرتے ہیں۔ جس سے ترتیب وارتقا کے اصول کا ان پر حاوی ہونا ثابت ہوگا۔

انسانی قویٰ کی تدریجی ترقی اور شخصی زندگی کے چار زمانے

جب انسانی افراد کی شخصی زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ چار زمانوں میں منقسم ثابت ہوتی ہے۔

۱-عہدِ طفولیت-اس عہد میں زیادہ تر حواس ظاہری کے محسوسات پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور عقل و فہم کی باتیں محسوس اور مجسم مثالوں میں بچوں کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ تب وہ ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

۲-عقل ورشد کا زمانہ-جب بچپن کا عہد ختم ہوجاتا ہے۔ اور حواس ظاہری پختگی کو پہنچ جاتے ہیں تو عقل ورشد کے زمانہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس عہد میں ہر شخص عقلی دلائل اور نظر و استدلال سے کام لیتا ہے۔ اور مقدمات ترتیب دے کر خاص نتیجہ نکالتا ہے۔ اور عقلی اصولوں کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔

۳-الہام کا عہد-جب انسان کے عقلی قویٰ تکمیل کے درجہ تک پہنچتے ہیں۔ تو اس میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے سے وہ مقدمات کو ترتیب دینے کے بدون نامعلوم امر کو معلوم کرلیتا ہے۔ اور اسے عقلی دلائل سے مدد لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس قوت کو مذہب کی زبان میں ملہمہ اور اس کے فعل کو الہام کہتے ہیں۔

۴-شرح صدر کا زمانہ یا کشف فطری کا عہد-جب انسان میں الہام کی قوت درجۂ کمال تک پہنچتی ہے۔ تب اس میں کشف فطری یا نور قلبی کی وہ قوت پیدا ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ فطرت کے اصلی حقائق اور توحید و اخلاق کے صحیح اور مکمل اصولوں کو اس طرح دریافت کرتا ہے۔ جس میں غلطی کا امکان نہیں

ہونا۔ محسوسات ظاہری کے احساس اور عقل کے ادراک میں غلطی ہونا ممکن ہے۔ لیکن فطرت اصلی کے کشف یا یوں کہو۔ کہ قلب سلیم کے حقیقی نور سے جن امور کا ادراک کیا جاتا ہے۔ وہ ادراک تمام نقائص سے پاک ہوتا ہے اور اس میں غلطی اور نقص واقع نہیں ہو سکتا ہے +

سلہ ہم نے اس کتاب کے شروع میں کانشنس یعنی نور ایمان کے متعلق مفصل بحث کی۔ لیکن اس خیال سے کہ کانشنس اور کشف فطری کے الفاظ سے قارئین کو اشتباہ پیدا نہ ہو۔ ہم اس جگہ یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ کانشنس سے ہماری مراد اس قوت ممیزہ سے ہے جو بالکل اپنی سادہ حالت میں ہو۔ اور خارجی تربیت اور قومی اثرات سے متاثر نہ ہوئی ہو ورنہ عام طور پر کانشنس کے احساس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس احساس کے پیدا کرنے میں خارجی تربیت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا پرست کا کانشنس توحید اور اخلاق حسنہ کی ہدایت کرتا ہے دہریہ اور زندیق کا کانشنس اس کے برعکس ہے۔ پس جو چیز دو متناقض امور کی جامع ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ البتہ وہ کانشنس جو خارجی تربیت کے اثرات سے خالی ہو۔ اسے قابل اعتبار اور فطرت اصلی کا سچا داعی کہہ سکتے ہیں اور یہی فطری کشف کا ابتدائی درجہ ہے۔

حقیقت میں وہ لطیفہ غیبی جو انسان کو غلطی سے باز رکھتا ہے اور جسے قرآن شریف کی زبان میں برہان اور شرح صدر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جسے رسول خدا صلعم نے واعظ اللہ فی قلب مؤمن (ہر مومن کے دل میں خدائی ناصح) فرمایا۔ اور جسے شاہ ولی اللہ صاحب خاطر نورانی یا داعی فطری کہتے ہیں۔ یہ وہ نور قلبی ہے۔ جس کو ہم نے کشف فطری کے نام سے موسوم کیا۔ اور یہی وہ فطری کسوٹی ہے۔ جس سے حق و باطل میں تمیز کی جاتی ہے۔ اور اسی کے متعلق مولانا روم رح فرماتے ہیں:۔

ہر کرا در جاں خدا بنہد محک ۔۔۔ مر یقیں را باز داند او ز شک

اور اسی قوتِ فطری کے معلومات کا مجموعہ دین یا مذہب ہے۔ اور یہی وہ فطری کشف کی قوت تھی۔ جس کے ذریعہ سے زید۔ ابوذر۔ امیہ۔ ابوبکر صدیق۔ قس بن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل۔ رسول خدا صلعم نے ایسے زمانہ میں جب کہ چاروں طرف شرک اور بت پرستی

اور یہ فطری کشف کی قوت حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممیز کرتی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے نفس کی تہذیب ہوتی ہے۔ اور یہی قوت انسان کو شرعی احکام کا مخاطب بناتی ہے۔ اور یہ فطری قوت ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔ صرف درجہ کا تفاوت ہے۔

عوام اور انبیاء میں فرق اتنا ہے۔ کہ عوام میں یہ قوت وعظ و حکمت کی باتیں سُن کر یا قابلِ تقلید مثالیں دیکھ کر قوی اور متنبہ ہوتی ہے اور اپنا عمل کرتی ہے۔ لیکن انبیاء میں خود بخود پیدائشی طور پر ایسی زبردست اور قوی پائی جاتی ہے۔ کہ اس کو خارجی تعلیم یا وعظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بسا اوقات وہ خارجی تعلیم کے خلاف عمل کرتی ہے اور یہی وہ فطری انکشاف ہے۔ جس کو قرآن شریف میں شرح صدر کے نام سے تعبیر کیا گیا +

خدا نے رسول خدا صلعم کے متعلق فرمایا:۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۔ پ ۳۰ ۔ انشراح ۔ ع ۱ +

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا +

اور عوام کے متعلق فرمایا:۔

بقیہ حاشیہ کا چرچا تھا۔ اور لوگ واحد خدا کی پرستش کے خیال سے آشنا تھے۔ بدون کسی خارجی تربیت اور تعلیم کے اور بغیر کسی استاد رہادی کی رہنمائی کے خود بخود توحید باری کا صحیح اور صاف اعتراف کیا۔ کانشنس خارجی تعلیم سے متاثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ قوت کئی مرتبہ خارجی تعلیم کے خلاف عمل کرتی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مقدس نفوس میں اس قوت نے خارجی تربیت کے خلاف عمل کیا۔ حقیقت میں داعی فطری نور قلبی کا درجہ کانشنس کے اوپر ہے۔ اور صحیح کانشنس اس کا ابتدائی زینہ ہے چونکہ انسانی قوٰے میں بھی ارتقا کا اصول جاری ہے۔ اس لئے حواس ظاہری کی عقل سے اور عقل کی کانشنس (قوت ممیزہ) سے اور کانشنس کی کشف فطری کی قوت سے سرحد ملتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قوت کا درجۂ کمال دوسری قوت کا ابتدائی درجہ ہے

(۱) افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربّہ ۔ پ۲۳ ۔ زمر ع۱
کیا وہ شخص جس کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا۔ اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہو۔ سنگدل کے برابر ہو سکتا ہے؟

وگر نورے رسد از عالم جاں ——— ز فیض جذبہ یا از عکس برہاں
دلش با نور حق ہمراز گردد ——— وزاں راہے کہ آمد باز گردد

عوام کے شرح صدر کی نسبت قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا:۔
(۲) فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ۔ پ۸ ۔ انعام ۔ ع۔
پس خدا جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔
جب رسول خدا صلعم سے دریافت کیا گیا۔ کہ شرح صدر سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا۔ خدا دل میں نور القا کرتا ہے۔ یقذف فیہ نوراً۔ تفسیر کبیر جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۴۸ +
امام غزالی رح نے منہاج العابدین کے شروع میں جو ان کی آخری تصنیف ہے اور المنقذ کے شروع میں شرح صدر سے نورانی القا مراد لیا۔ اور حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے۔
یہ نورانی القاء انبیاء اور اولیاء سے مخصوص نہیں۔ فیاض مطلق نے ہر شخص کے دل میں اس کے حاصل کرنے کی استعداد پیدا کی ہے۔
امام صاحب[1] احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:۔
فکل قلب فھو بالفطرۃ صالح لمعرفۃ الحقائق ؛
کہ ہر دل فطری طور پر حقائق شناسی کے قابل ہے؛
کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں۔
گماں مبر کہ روزن دل بملکوت بے خواب و بے مرگ کشادہ نہ گردد ۔۔۔۔۔۔۔۔

[1] احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۹ ۔ مطبع نولکشور۔

گماں مبر کہ ایں بہ پیغمبراں مخصوص است کہ گوہر ہمہ آدمیاں در اصل فطرت شائستہ اینست[۱]

البتہ جو لوگ اس قوتِ فطری سے مستفید نہیں ہوتے۔ یا اسے بُری طرح استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ قوت مضر نتائج پیدا کرتی ہے۔ فرمایا:—

ولکن من شرح بالکفر صدرًا فعلیہم غضب من اللہ ۔ پ۱۴۔ نحل ع۲

جس شخص نے کفر کے لئے سینہ کھولا تو اُن پر خدا ناراض ہے۔

حقیقت میں حواس کی غلطی اور راستی اور عقل کے خطا و ثواب اور فجور و تقویٰ کے الہام اور کفر کے شرحِ صدر میں جس قانون کی رو سے تمیز کی جاتی ہے۔ وہ اصول فطرت ہیں۔ پس جس حس یا قوت کا فعل قوانین قدرت کے مطابق ہوگا وہ درست ہے۔ ورنہ غلط۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ بعض اشخاص بالطبع سلیم الفطرت پیدا ہوتے ہیں جو خود بخود حق و باطل میں تمیز کر لیتے ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر شخص عامی ہو یا نبی اپنی ذاتی استعداد اور قویٰ کے مطابق مذکورہ بالا زندگی کے چار زمانوں میں سے گزرتا ہے لیکن ان سے پورا پورا اور صحیح فائدہ اُٹھانا یا نہ اٹھانا اس کا اپنا کام ہے۔ اور وہ چار زمانے اس طرح مسلسل ہیں کہ ان کے ہر عہد کی انتہا ان کے دوسرے زمانہ کی ابتدا ہے۔

اجتماعی زندگی کے چار دَور اور ان کا مذہب چونکہ نوعِ انسانی بہیئت مجموعی شخص واحد کی مانند ہے۔ اس لئے نوعی اور اجتماعی زندگی کے لئے بھی ایسے چار زمانوں میں سے گذرنا لازمی ہے۔ جس کے ہر دَور کی انتہا دوسرے دَور کی ابتدا ہو۔ اور یہی صورت اس نوع کے پیدائشی مذہب کی ہے۔ کہ وہ بھی بترتیب مذکور چار قسموں میں منقسم ہے۔ فطری، عقلی، الہامی، مکمل۔ گویا ارتقا کا اصول جس طرح انسان کے قویٰ اور اس کی زندگی کے منازل میں جاری ہے۔ ایسا ہی اس کا پیدائشی

۱؎ کیمیائے سعادت صفحہ ۱۳، ۱۴

اور فطری مذہب بھی اس اصول کی تاثیر سے خارج نہیں +

شروع زمانہ میں جب نوع انسانی طفولیت کے عالم میں تھا۔ تو اس کا فطری مذہب اپنی سمجھ کے مطابق صرف قدرت کے محسوس مناظر کو دیکھ کر خدا کو واحد مانتا تھا

امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں :۔

لو لم یبعث اللہ رسولا لوجب علی الخلق معرفتہ بعقولہم۔ منتقی

اگر خدا کوئی رسول نہ بھیجتا۔ تو لوگوں پر ان کی عقلوں کے ذریعہ سے خدا کی شناخت واجب تھی +

جب نوع انسانی نے ترقی کی۔ اور عقل و رشد کے زمانہ میں پہنچا۔ تو اس نے توحید مذکورہ کے سادہ اصول پر اپنی محدود تمدنی ضرورتوں کی وجہ سے چند اخلاقی اور عقلی اصولوں کا اضافہ کر دیا۔ اور یہ اس کا عقلی مذہب قرار پایا۔ جسے عقلی شریعت کہتے ہیں۔ اسی بنا پر ماتریدیہ اور معتزلہ حسن و قبح عقلی کے قائل ہیں۔ اور امام رازی بھی ان سے متفق ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

انا علی القول بالحسن والقبح العقلیین فقول کانہ تعالیٰ یقول لست انا الآمر للعبادۃ فقط بل عقلک ایضاً یامرک لان النھایۃ فی التعظیم لمن اوصل الیک نھایۃ الانعام واجبۃ فی العقول۔

میں حسن و قبح کو عقلی مانتا ہوں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ گویا خدا یوں فرماتا ہے۔ کہ صرف میں عبادت کا حکم نہیں دیتا۔ بلکہ تمہاری عقل بھی تم کو یہی حکم کرتی ہے۔ اس لئے کہ عقل کی رو سے جس کی مہربانی بہت ہو اس کی تعظیم بھی بہت کی جانی چاہیئے [1]

جب نوع انسانی کی عمر اس حد تک پہنچی۔ کہ اس کے عقلی قوے پختہ ہو گئے لیکن اس کے بعض افراد نے بعض اصولوں کے متعلق اختلاف پیدا کیا تو اس اختلاف

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۸۔ صفحہ ۲۷۰ +

کو رفع کرنے کے لئے ایسے سلیم الفطرت اشخاص پیدا کئے گئے - جنہوں نے الہام کے ذریعے سے انسان کے فطری اور عقلی مذہب کے اصلی اصول دریافت کر کے عوام کو ان سے مطلع کیا - اور یہ وہ الہامی مذہب تھا - جس کی تمام انبیاء ہدایت اور تعلیم دیتے رہے ؞

جب نوع انسانی کے اخلاقی - علمی - عملی - عقلی - الہامی قوئے پوری طرح نشو و نما پا چکے - اور اس کے پاس گذشتہ واقعات اور تجربوں کا ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا - کہ اس کو فطرت کے حقائق اور قدرت کے دقائق سے کامل واقفیت اور توحید اور اخلاق کے متعلق مکمل تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی - اور اس کی استعداد اس درجہ تک پہنچ گئی - کہ اسے فطری انکشاف حاصل ہو اور وہ صحیح معنے میں خلیفۃ اللہ کہلائے - تو اسے ایسا مذہب دیا گیا جسے **دین کامل یا مکمل اسلام** کہتے ہیں ؞ اور جو انسان کے مذہبی اخلاقی اور روحانی ارتقاء کی آخری کڑی ہے

ایمان کے مختلف درجے

فطرت کا صحیح اصول یہ ہے کہ کائنات عالم کی ہر شئے ادنے کے بعد اوسط اور اوسط کے بعد اعلے درجہ کی جانب ترقی کرتی ہے - اور درجہ بدرجہ اخس سے اشرف کی جانب ارتقاء ہوتا ہے - اس ارتقاء اور تربیت کا اثر ہر جگہ اور ہر شئے میں موجود ہے - جس طرح انسان کی شخصی زندگی اور اس کے قوئے اور نوعی زندگی اور اس کے پیدائشی مذہب کے مختلف مدارج میں تدریجی ترقی اور ترتیب پائی جاتی ہے - ایسا ہی اس مذہب پر ایمان لانے ، اور تصدیق کے درجوں میں بھی ترتیب وارتقا کا اصول جاری ہے - اگرچہ مذہب کی تصدیق ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق کرتا ہے - لیکن اس تصدیق کے طریقے اور درجے جدا گانہ ہیں - ہر دوسرا درجہ پہلے درجہ سے متمیز اور اس پر فوقیت رکھتا ہے ؞

امام غزالی رح احیاء العلوم میں لکھتے ہیں :-

ھذا الایمان لہ ثلث مراتب المرتبۃ الاولیٰ ایمان العوام وھو ایمان التقلید المحض والثانیۃ ایمان المتکلمین وھو ممزوج بنوع استدلال ودرجتہ قریبۃ من درجۃ ایمان العوام والثالثۃ ایمان العارفین وھو المشاھد بنور الیقین ؎

ایمان کے تین درجے ہیں - پہلا درجہ ایمان عوام کا ہے - اور وہ محض تقلیدی ایمان ہے - دوسرا درجہ ایمان متکلمین کا ہے - اس میں کچھ استدلال ملا ہوا ہوتا ہے - اس کا درجہ ایمان عوام کے قریب ہے - تیسرا درجہ ایمان عارفین کا ہے جسے نور یقین سے دریافت کیا جاتا ہے ؎

اب ہم ایمان کے ان تین درجوں کو ایک مثال میں بیان کرتے ہیں - اور وہ یہ ہے کہ تم زید کے گھر میں موجود ہونے کو تین طرح تصدیق کر سکتے ہو - پہلے یہ کہ کوئی معتبر شخص جس کی سچائی کا تم نے تجربہ کیا ہے - اور وہ جھوٹا مشہور نہ ہو - اور نہ متہم ہو - یہ خبر دے کہ زید گھر میں ہے - اس خبر کو سنتے ہی تمہارا دل مطمئن ہو جائے - یہ عوام کا ایمان ہے - جسے تقلیدی ایمان کہتے ہیں - عام لوگ جب سن تمیز کو پہنچتے ہیں - تو ماں باپ اور استادوں سے خدا اور اس کے صفات کا حال سنتے ہیں - اور ان پر حسن ظن رکھنے کی وجہ سے ان کی باتوں کو تسلیم کر لیتے ہیں - یہ ایمان موجب نجات ہے لیکن اس درجہ کے ایمان رکھنے والے مقربین میں سے نہیں ہیں - اس لئے کہ ان میں کشف و بصیرت نہیں اور نہ ان کا سینہ نور یقین سے منور ہے اور عقائد کے متعلق چند یا اکثر لوگوں کی خبر کا جن پر اعتبار کیا جاتا ہے - غلط ہونا بھی ممکن ہے - عیسائی اور یہودی بھی اپنے ماں باپ سے عقائد کی خبر سن کر مطمئن ہیں - تصدیق کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم زید کا کلام اور آواز گھر میں سے پس دیوار سنو -

اور اس سے تم اس کے گھر میں موجود ہونے پر یقین کرو۔ یہ تصدیق سماعی تصدیق سے قوی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آواز سے بولنے والا شخص پہچانا جاسکتا ہے۔ یہ استدلالی ایمان کی مثال ہے۔ لیکن اس ایمان میں بھی خطا واقع ہونے کا احتمال ہے۔ کیونکہ ایک شخص کی آواز دوسرے شخص کی آواز کے مشابہ ہوسکتی ہے۔ اور بعض مرتبہ تکلف سے بھی دوسرے شخص کی آواز نقل کی جاسکتی ہے۔ اور تصدیق کی تیسری صورت یہ ہے کہ تم خود گھر میں چلے جاؤ۔ اور زید کو اپنی آنکھوں سے وہاں موجود دیکھ لو۔ یہ حقیقی معرفت اور یقینی مشاہدہ ہے جسے عارفین کا ایمان کہتے ہیں۔ اس میں خطا اور غلطی واقع نہیں ہوسکتی۔ عارفین کا ایمان عوام اور متکلمین کے ایمان پر حاوی ہے[1]

در حقیقت نوعِ انسانی کے ابتدائی زمانے کا ایمان عوام کے ایمان جیسا تھا۔ جب اس نوع نے کچھ عقلی ترقی کی۔ تو اس کا ایمان استدلالی ایمان کے درجہ تک پہنچا۔ جب اس سے زیادہ ترقی کی تو اسے عارفین کے ایمان کا درجہ کا موقع ملا۔ ہماری رائے میں عارفین کے ایمان کے دو درجے ہیں۔ معمولی۔ کامل۔ الہامی مذہب کا معمولی درجہ سے اور مکمل اسلام یا دین کامل کا کامل درجہ سے تعلق ہے۔

مختصر یہ ہے۔ کہ انسان کے پیدائشی مذہب کی اس فطری اور قدرتی ترتیب کے خلاف جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ یہ اعتراض کہ آدم سب سے پہلے پیغمبر تھے اس لئے الہامی مذہب شروع زمانہ سے جاری ہے۔ غلط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام انسان کا ابتدائی اور آخری مذہب ہے۔ لیکن الہامی مذہب اس کی تیسری قسم ہے۔ جس کا ظہور اپنے مناسب وقت پر ہوا تھا۔ قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی بعثت لوگوں میں اختلاف پیدا ہونے کے بعد ہوئی

---

[1] احیاء العلوم جلد ۳۔ صفحہ ۱۰۔ مطبوعہ نولکشور۔

تھی۔ فرمایا:۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ۔ اَلْاٰيَة

لوگ سب ایک ہی مذہب کے پیرو تھے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ تب خدا نے ان کے اختلاف دُور کرنے کے لئے انبیاء بھیجے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر کے متعلق درِ منشور میں لکھا ہے کہ کعب فرماتے ہیں۔ "اختلاف پیدا ہونے سے پہلے انسان کا ابتدائی مذہب دینِ فطرت تھا۔" اگر اس آیت میں لفظ کَانَ سے حال کے معنی مراد لئے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہو جاتا ہے۔ کہ لوگ ایک ہی مذہب کے پابند ہیں۔ پھر خدا نے انبیاء کو مبعوث کیا۔ یہ معنی غلط ہیں۔ اس لئے کہ اس طرح حرف فَ جس کے معنی پھر ہیں بالکل کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور ظاہر ہے کہ حرف فَ تعقیب یا تراخی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں کَانَ کے معنی فعل حال کے نہیں ہو سکتے۔ قاضی عبد الجبار نے اس آیت میں حرف فَ سے تراخی کے معنی مراد لئے ہیں۔ قاضی صاحب کا قول ہم اوپر نقل کر چکے ہیں وہ فرماتے ہیں:

کہ "لوگ پہلے فطرت و عقل کے سچے مذہب کے پیرو تھے۔ اس کے بعد اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ قائم ہوا۔ اور اس اعتراض کا کہ آدمؑ پہلے نبی تھے۔ اس لئے انبیاء اور اُن کے مذہب کا سلسلہ شروع سے جاری ہے۔ جواب یہ ہے

بانه يحتمل انه عليه السلام مع اولاده كانوا مجتمعين على التمسك بالشرائع العقلية اولا ثم ان الله تعالىٰ بعد ذلك بعثه الى اولاده۔

ممکن ہے۔ کہ آدمؑ اور ان کی اولاد پہلے عقلی شریعتوں سے استدلال کرنے میں متفق ہو اور پھر ان کی اولاد میں اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے آدمؑ کو ان کی جانب پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہو۔" (تفسیر کبیر جلد ۲۔ صفحہ ۲۰۶)

توراۃ کتاب پیدائش باب ۵ درس ۴ میں حضرت آدمؑ کی عمر نو سو تیس برس لکھی ہے۔ یہ تعداد صحیح ہو یا غلط۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ شیث ہابیل۔ قابیل اور ان کے بہت سے بیٹے اور پوتے ان کی زندگی میں پیدا ہو گئے تھے۔ اور ان میں فساد اور اختلاف بھی نمودار ہو گیا تھا۔ اس لئے اختلاف مذکور کو رفع کرنے کے لئے حضرت آدمؑ جب سن رشد کو پہنچے۔ تو منصب نبوّت پر ممتاز کئے گئے۔ بلکہ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے۔ کہ حضرت نوحؑ پہلے پیغمبر ہیں جو رفع اختلاف کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔

امام علی بن محمد آیت مندرجہ بالا کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

قیل کان الناس علی شریعۃ واحدۃ من الحق والھدیٰ من وقت ادم الی مبعث نوح ثم اختلفوا فبعث اللہ نوحًا وھو اوّل رسول بعث ثم بعث بعدہ الرسل[1]

بعض کے نزدیک آدمؑ کے زمانے سے لے کر بعثت نوحؑ کے وقت تک لوگ سچائی اور ہدایت کے ایک ہی مذہب کے پیرو تھے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ تب خدا نے نوحؑ کو بھیجا۔ اور یہ سب سے پہلے رسول ہیں جو مبعوث ہوئے۔ ان کے بعد پھر اور رسولوں کی بعثت ہوئی۔

قتادہ اور عکرمہ کی بھی یہی رائے ہے[2]۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ نوحؑ سے پہلے ادریسؑ اور شیثؑ مبعوث ہو چکے تھے اور دنیا میں اختلاف اور فساد کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ امام رازیؒ نے آیت مذکورہ کی تفسیر کے متعلق مفسرین کے پانچ اقوال لکھے ہیں۔ لیکن ہماری رائے میں قاضی صاحب کا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ وہ فطرت انسانی کی تاریخ اور حالات

---

[1] تفسیر خازن صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ مصر۔ [2] معالم التنزیل بر حاشیہ خازن صفحہ ۱۶۹۔

سے پوری مطابقت رکھتا ہے - اور فطرت ربانی کا قانون یہ ہے کہ جب تک پہلے اُمّت یا قوم موجود نہ ہو - تب تک کوئی پیغمبر نہیں بھیجا جاتا - نذیر کے لئے اُمّت کا موجود ہونا ضروری ہے - اور اسی بنا پر آیت مذکورہ میں لکھا ہے کہ پہلے لوگ ایک امت تھے - پھر خدا نے انبیاء بھیجے - اور دوسری جگہ فرمایا:-

وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر - پ۲۲ - فاطر - ع۱ -

اور ہر اُمّت میں ڈرانے والا گزرا ہے ؎

اگرچہ قرآن شریف میں اکیلے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی عظمت کی وجہ سے امّت قانت کا خطاب دیا گیا - اور شخص واحد پر اُمّت کا اطلاق ہُوا - لیکن جن آیتوں میں بعثت انبیاء کا ذکر ہے - وہاں امت کے لفظ سے اس کے لغوی اور اصلی معنی قوم مراد ہیں - ویسے بھی حاکم بغیر محکوم اور بادشاہ بدون رعیت اور پیغمبر بدون امّت مہمل بات ہے - پس جب شروع میں لوگ ترقی کر کے امّت یا قوم کے درجہ تک پہنچے - اور ان میں اختلاف پیدا ہو گیا - تو حضرت آدمؑ ان کی جانب اختلاف مذکور کو رفع کرنے کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے - اور نبوّت آدمؑ سے پہلے لوگ فطری و عقلی سچے مذہب کے پیرو تھے - جو اسلام کی پہلی اور دوسری قسم ہے ؎

مکمّل اسلام

اور

انسانی زندگی کا چوتھا دور

جب نوعِ انسانی کی زندگی درجۂ شباب تک پہنچی۔ اور اس کے فطری
قوے تربیت پا کر اس قابل ہوئے کہ وہ کائنات عالم کو تسخیر کرلیں اور مادی
دنیا میں رہ کر روحانی عالم اور اس کے واقعات کا مشاہدہ کریں۔ اور انسان کی
اخلاقی۔ تمدنی۔ مادی۔ روحانی۔ علمی۔ عملی ضرورتوں نے تقاضا کیا کہ اسے فطرت
کے ایسے مکمل قانون سے آگاہ کیا جائے۔ جو اس کے تمام ضروریات زندگی
کو پورا کرنے کا سچا کفیل ہو۔ اور جس کا حقیقی علم دل کو ہر طرح کی تشویش سے
مطمئن بنا دے۔ تو حکیم مطلق نے قدیم فطری مذہب کو جو انسان کے ساتھ جنم
لے کر فطرت۔ عقل۔ الہام کے مختلف مدارج طے کرچکا تھا۔ انسان کا
ابدی اور دوامی مذہب بنا دیا۔ گویا جس طرح انسان رفتہ رفتہ ترقی کرکے زندگی
کے موجودہ مرحلہ پر پہنچا۔ اور اس کے قویٰ میں گذشتہ تجربوں اور سابقہ علمی
ذخیروں سے مستفید ہوکر ہر قسم کی ترقی حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہوئی ایسا
ہی اُس کے پیدائشی مذہب نے بھی بتدریج ترقی پاکر تکمیل کا درجہ حاصل کیا۔

اور انسان کی تمام اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذمہ اپنے سر لیا۔ اسی بنا پر قرآن شریف میں اس مذہب کو دین کامل کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اور فرمایا:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط پ ۶ ۔ مائدہ ۔ ع ۱

آج ہم نے تمہارے مذہب کو مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور اسلام کو تمہارے لئے دین پسند کیا۔

جس طرح آفتاب سمت الراس پر پہنچکر کامل روشنی دیتا ہے۔ اور ایک بیج نشوونما پا کر مکمل درخت بن جاتا ہے۔ یا ایک بچہ ترقی کر کے جوان ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جب نوعِ انسانی پر جو بہیئت مجموعی شخص واحد کی مانند ہے رشباب کا زمانہ آیا تو اس کا پیدائشی مذہب فطری ۔ عقلی ۔ الہامی معمولی مدارج طے کر کے شباب کے درجہ تک پہنچا۔ اور پھر اُسے تکمیل کا وہ رتبہ حاصل ہوا جس کی وجہ سے وہ مکمل اسلام کے نام سے موسوم ہے۔ چونکہ تکمیل کے درجہ کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم اسلام کے اصولوں کو ناقابل تبدیل اور رسُول خدا صلعم کو خاتم النبیین اور قرآن شریف کو ناقابل تنسیخ اور مکمل کتاب مانتے ہیں۔ ہم رسول خدا صلعم کو صرف اس لئے خاتم الانبیاء نہیں مانتے کہ وہ سب انبیاء کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ اس لئے مانتے ہیں۔ کہ انہوں نے اسلام کی تعلیم کو ہر طرح سے مکمل کر دیا۔ چونکہ تکمیل کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ اس لئے وہ خاتم نبوت ہیں۔ اور قرآن شریف اسلام کی جامع اور مکمل کتاب ہے۔ اور اسلام دین کامل ہے۔

مکمل مذہب کی سات خصوصیتیں

آج تمام اہلِ مذاہب اپنے اپنے مذہب کو مکمل اور

جامع مانتے ہیں۔ لیکن حق پسند شخص کے نزدیک وہی مذہب کامل اور جامع ہو سکتا ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل خصوصیتیں پائی جائیں:

(۱) اس مذہب کے اصول عقل و فطرت کے مطابق ہوں؛

(۲) ان اصولوں کو تسلیم کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے انسان کی مادی اور روحانی زندگی کو فائدہ پہنچے؛

(۳) وہ اصول ہر حالت میں انسانی زندگی کے لئے لازمۂ حیات اور اس کی ترقی اور وجود و بقا کا ذریعہ ہوں:

(۴) وہ مذہب مذاہب عالم کے اختلافات کا صحیح فیصلہ کر کے حق کو باطل سے متمیز کرے۔ تاکہ انسان کے پیدائشی مذہب کی اصلی حقیقت ظاہر ہو؛

(۵) اگر تمام مذاہب کے اصول و احکام پر سے انسانی خیالات اور بیجا اختلافات کے پردے اُتار دیئے جائیں۔ تو وہ اُصول سب مذاہب میں مشترک ہوں یعنی وہ تمام مذاہب کی مشترک حقیقت ہوں؛

(۶) نہ صرف مشترک بلکہ ایسے جامع اور مکمل ہوں کہ ہر طبقے اور درجے کا شخص ان سے ہدایت اور فائدہ حاصل کر سکے۔ اور ان کی تصدیق کے لئے طبعی طور پر تیار ہو:

(۷) جس طرح انسان جسم اور رُوح سے مرکب ہے۔ اور ہر چیز پوست اور مغز سے بنی ہے۔ ایسا ہی اس مذہب کے اصول بھی مناسب ظاہری صورت اور مفید باطنی حقیقت پر مشتمل ہوں؛

یہ تمام خصوصیتیں اسلام میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے اسلام دین کامل ہے۔ اس امر کے فیصلہ کرنے کے لئے کہ کیا واقعی اسلام میں مذکورہ بالا خصوصیات موجود ہیں یا نہیں۔ اس مذہب کی آخری کتاب (قرآن شریف) کو دیکھنا چاہیئے

کہ وہ کتاب کن اصولوں کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ اور انسانی زندگی کیلئے کونسے مفید اصول بیان کرتی ہے۔ اور انسان کی مادی اور اخلاقی اور روحانی زندگی کے متعلق کس قسم اور کس درجہ کی مفید اور معقول تعلیم دیتی ہے۔ اگر اس کی تعلیم اور اس کے بیان کردہ اصول واقعی ایسے معقول اور مکمل ہوں۔ کہ انسان ان پر عمل کرکے موجودہ اور آئندہ زندگی نہایت امن آسائش سے مفید اور معقول طریق پر بسر کر سکے۔ تو اسلام کو دین کامل ماننے سے سرمو انکار نہیں کرنا چاہیئے اور دل کو مذہبی تعصب سے پاک اور سچائی اور دانشمندی کے نور سے منوّر کرکے اسلام کے اصولوں کی تصدیق کرنی لازمی ہے؛

چونکہ ہر مذہب کا نقص و کمال اس کے اپنے اصولوں سے جو اس کی معتبر ترین کتاب میں مذکور ہوں، پہچانا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم اسلام کے اصولوں کو قرآن شریف سے اخذ کرکے بوضاحت بیان کریں گے۔ اور قرآنی آیتیں بطور سند ساتھ لکھیں گے۔ تاکہ ہمارا دعوےٰ بے دلیل ثابت نہ ہو؛

اگر اعتراض کیا جائے کہ جب انسان نے عقل و فطرت کے ذریعے توحید و اخلاق کے اصول دریافت کر لئے تھے اور انبیاء کرام مفید اصول و احکام کی اشاعت فرما چکے تھے اور یہ تعلیم شروع زمانہ سے مُرَوّج تھی۔ اور رسول خدا صلعم کوئی نیا مذہب نہیں لائے۔ بلکہ انہوں نے مذاہب ماضیہ اور کتب سابقہ ہی کی تصدیق و تائید فرمائی تو قرآن شریف کے نزول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا کیا فائدہ تھا؟

اگرچہ اس اعتراض کا جواب ضمنی طور پر اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس کتاب دین کامل کی باقی سات جلدیں اسی اعتراض کا تفصیلی جواب ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ قرآن شریف نے اسلام کے علمی و عملی اصولوں یعنی

توحید ۔ جزا وسزا ۔ کتب سابقہ ۔ وحی والہام ۔ روحانیات ۔ اخلاق ۔ عادات کی کیا تکمیل اور اصلاح کی ۔ علم کی تحصیل اور عقل کے استعمال اور قوانین فطرت میں غور وفکر کرنے کے متعلق کیا کچھ ہدایت کی ۔ اور رسولِ خدا صلعم نے اسلام کے مکمل اصول واحکام کا اپنی زندگی اور طریق عمل سے لوگوں کے سامنے کیا قابل تقلید نمونہ پیش کیا ؞

انسان پہلے کسی چیز کی نسبت خیال یا تصور کرتا ہے ۔ جب وہ تصور راسخ اور پختہ ہو جاتا ہے تو اسے عمل میں لانے کی سعی کرتا ہے ۔ فطرت انسانی کا یہی عام قاعدہ مذہب کے اصولوں کی نسبت جاری ہے کہ انسان پہلے کسی اصول مذہبی پر دل سے یقین کرتا ہے ۔ پھر بعد میں اس پر عمل پیرا ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ عمل علم کی فرع ہے ۔ بدیں وجہ ہم پہلے اسلام کے علمی اصولوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ جس سے قارئین کو معلوم ہوگا ۔ کہ واقعی اسلام کے علمی اصولوں میں مذکورہ بالا سات خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور اسلام بلحاظ اپنی علمی ہدایتوں کے انسان کے لئے **دین کامل** کہلانے کا مستحق ہے ۔ اور اسلام کی مکمل کتاب قرآن شریف نے علمی اصول واحکام کی کیا تکمیل کی ؞